بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

SENATE OF PAKISTAN

SENATE DEBATES

Thursday, the 13th Feb, 1992

The Senate of Pakistan met in the Senate Hall (Parliament House), Islamabad, at ten of the clock, in the morning, with Mr. Chairman (Mr. Wasim Sajjad) in the Chair.

RECITATION FROM THE HOLY QURÕAN

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَإِذَا مَآ أُنزِلَتۡ
سُورَةٌ نَّظَرَ بَعۡضُهُمۡ إِلَىٰ بَعۡضٍ هَلۡ يَرَىٰكُم مِّنۡ أَحَدٍ
ثُمَّ ٱنصَرَفُواْۚ صَرَفَ ٱللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمۡ قَوۡمٞ لَّا يَفۡقَهُونَ
﴿١٢٧﴾ لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُولٞ مِّنۡ أَنفُسِكُمۡ عَزِيزٌ
عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيصٌ عَلَيۡكُم بِٱلۡمُؤۡمِنِينَ
رَءُوفٞ رَّحِيمٞ ﴿١٢٨﴾ فَإِن تَوَلَّوۡاْ فَقُلۡ حَسۡبِيَ ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ
إِلَّا هُوَۖ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُۖ وَهُوَ رَبُّ ٱلۡعَرۡشِ ٱلۡعَظِيمِ ﴿١٢٩﴾

ترجمہ: اور جب کوئی سورت اترتی ہے ان میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگتا ہے کہ کوئی
تمہیں دیکھتا تو نہیں پھر پلٹ جاتے ہیں اللہ نے ان کے دل پلٹ دیئے کہ وہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

SENATE OF PAKISTAN

SENATE DEBATES

Thursday, the 13th Feb, 1992

The Senate of Pakistan met in the Senate Hall (Parliament House), Islamabad, at ten of the clock, in the morning, with Mr. Chairman (Mr. Wasim Sajjad) in the Chair.

RECITATION FROM THE HOLY QURÕAN

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَإِذَا مَآ أُنزِلَتْ
سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَىٰكُم مِّنْ أَحَدٍ
ثُمَّ ٱنصَرَفُوا۟ ۚ صَرَفَ ٱللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ
﴿١٢٧﴾ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ
عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِٱلْمُؤْمِنِينَ
رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَقُلْ حَسْبِىَ ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ
إِلَّا هُوَ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَهُوَ رَبُّ ٱلْعَرْشِ ٱلْعَظِيمِ ﴿١٢٩﴾

ترجمہ: اور جب کوئی سورت اترتی ہے ان میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگتا ہے کہ کوئی
تمہیں دیکھتا تو نہیں پھر پلٹ جاتے ہیں اللہ نے ان کے دل پلٹ دیئے کہ وہ

نا سمجھ لوگ ہیں بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان پھر اگر وہ منہ پھیریں تو تم فرمادو کہ مجھے اللہ کافی ہے اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ میں نے اسی پر بھروسا کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے۔

POINT OF ORDER

RE : THE APPLICATION OF THE RULE 30

جناب منظور احمد گچکی: پوائنٹ آف آرڈر۔ آج وقفہ سوالات لگتا ہے جو سسپنڈ کیا گیا ہے۔ اگر آپ نے رول ۳۰ کو اپلائی کیا ہے اور تمام رول سسپنڈ کیے ہیں تو الگ بات ہے۔ ورنہ کوئی ایسا رول نہیں ہے کہ اگر صدر کا خطاب ہو تو وہ وقفہ سوالات نہ ہو۔

جناب چیئرمین: ایک تو یہ روایت اس قسم کے خطاب پر صرف آج سے نہیں ہے، جب سے یہ شروع ہوا ہے، یہ روایت رہی ہے کہ جب آپ فکس کرتے ہیں۔ یعنی فیکسیشن کا مطلب ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ کام فکس کیا ہے for the day آپ نے دیکھا کہ وہاں پر ڈے کا لفظ آتا ہے۔ اس میں لکھا ہوا ہے کہ "The Chairman shall one or more days for the discussion of the matters referred to in the President's Address........... تو ڈے میں سارا ڈے آ جاتا ہے۔ And for this purpose the Chairman may suspend or vary the rule to the extent necessary." اچھا آگے دیکھیں اب ۳۳ دیکھیں۔ اس میں آپ کو ساری وضاحت مل

جائے گی۔ "....Notwithstanding that a day has been allotted" یعنی ڈے کا مطلب ہے کہ عام طور پر جب الاٹ ہو جائے، اس دن وہی کام ہو گا اس میں اجازت دی گئی ہے کہ یہ کام کر سکتے ہیں آپ۔ وہ لکھا ہوا ہے۔

"Notwithstanding that a day has been allotted for discussion on the President's Address :

(a) a motion for leave to introduce a Bill may be made....

(b) other business of a formal character like laying of reports or document excluding adjournment motions may be transacted..

یہ اجازت دی گئی ہے کہ باوجود اس کے کہ ڈے فکس ہو گیا ہے۔ ڈے فکس کا مطلب ہے کہ سارا ڈے۔ تو یہ سارا ڈے فکس کر دیا ہے فار ڈسکشن۔

Mr. Manzoor Ahmed Gichki : What about Privilege Motions ?

جناب چیئرمین: تحریک استحقاق کی ہم اجازت دیں گے روایت کے تحت۔ روایت کے تحت ہم تحریک استحقاق کر دیتے ہیں۔ لیکن باقی جو بزنس ہے، اس کی وجہ کیا ہے۔ وجہ یہ ہوتی ہے، ایوان کی کارروائی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آپ کچھ چیزوں کو ہائی لائٹ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کچھ چیزوں کو تحریک التواء کے ذریعے عوام کے نوٹس میں لانا چاہتے ہیں۔ حکومت کے نوٹس میں لانا چاہتے ہیں۔ وقفہ سوالات کا بھی یہی مقصد ہوتا ہے۔ اس بحث کے دوران آپ کو اجازت ہے آپ جو معاملہ اٹھانا چاہیں اٹھا سکتے ہیں۔ جنرل ڈسکشن ہے۔ اس میں بہت سی چیزیں، جو آپ چاہیں، لاء اینڈ آرڈر کی بات ہوتی ہے۔ کوئی اور مسئلہ ہے۔ یعنی .It is almost a general discussion لہٰذا یہ ایک طریقہ کار ہے اور یہ ہم کافی عرصہ سے اسطرح کر رہے ہیں۔ اچھا سسپنڈ.......... کرنے کی فارملی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن روایت یہی چل رہی ہے۔ جی جناب حافظ صاحب۔

ADJOURNMENT MOTION

RE : KILLINGS OF MORE THAN THIRTEEN KASHMIRIS BY THE INDIAN FORCES

حافظ حسین احمد: جناب چیئرمین شاید آپ نے اخبارات میں پڑھا ہو گا کہ کشمیر میں ہمارے تیرہ سے زیادہ افراد کو شہید کیا گیا اور درجنوں زخمی ہو چکے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ چند دن پہلے پانچ فروری کو حکومت پاکستان کی طرف سے کشمیر کی آزادی اور کشمیری عوام کے ساتھ اظہار یکجہتی کے طور پر ہڑتال کی کال دی گئی تھی اور افسوسناک پہلو یہ ہے کہ جو کچھ ہوا ہے اس میں یہ جیالے بھارتی گولے سے نہیں بلکہ پاکستان کے گولے سے شہید کیے گئے ہیں۔ چونکہ میں نے اس پر ایک تحریک التواء بھی دی تھی لیکن شاید وہ رولز کے مطابق نہیں آسکتی اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ قرارداد تعزیت ہو اور ان کے لیے دعائے مغفرت ہو اور جنہوں نے انہیں روکنے کیے لیے تشدد کا راستہ اختیار کیا ہے ان کے خلاف کارروائی کی جائے۔

Syed Abdullah Shah : Mr. Chairman, Sir, I have also moved a motion of adjournment on the killings of Kashmiri people or Pakistani people, yesterday.

جناب چیئرمین: فاتحہ پڑھ لیتے ہیں۔ جی پروفیسر خورشید صاحب آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟

پروفیسر خورشید احمد: میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ فاتحہ ضرور پڑھ لیں۔

(مداخلت)

جناب چیئرمین: اس میں تقاریر نہیں ہوتیں۔

ڈاکٹر محمد ریحان: تقریر نہیں ہے جناب۔ ذرا بات ریکارڈ پر لانی ہے۔ کل جو واقعہ ہوا ہے جس میں سولہ سترہ جانیں ضائع ہوئی ہیں، قیمتی جانیں ہیں اور درجنوں افراد زخمی ہوئے ہیں۔ ہمیں اس پر دلی درد اور دکھ ہوا ہے۔ لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری حکومت کا موقف بالکل جائز اور اصولی ہے۔

جناب چیئر مین: بالکل صحیح ہے۔

ڈاکٹر محمد ریحان: اور ہم یہ سمجھتے ہیں انہوں نے جو راستہ اختیار کیا ہے پڑوسی ممالک کے ساتھ دوستی اور امن کا جو راستہ ہے اس کی تائید کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ ان افراد کی یا ان طبقوں کی مذمت کرتے ہیں جو ملک میں مذہبی جنون پھیلا کر اس قسم کے خون خرابے کا بازار گرم کرتے ہیں جو انہوں نے پہلے افغانستان میں کیا اور بعد میں پھر کشمیر میں۔

جناب چیئر مین: یہ سیاسی بات ہے۔

ڈاکٹر محمد ریحان: ہم بیشک فاتحہ ان کے لیے پڑھتے ہیں لیکن ان سے اپیل بھی کرتے ہیں کہ وہ صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں اور صبر و تحمل سے کام لیں اور کسی قسم کے اشتعال میں نہ آئیں۔ شکریہ جی۔

پروفیسر خورشید احمد: میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بلا شبہ ہمیں تعزیت کی قرارداد بھی پاس کرنی چاہیئے، فاتحہ خوانی بھی کرنی چاہیئے ان کے لیے لیکن یہ مسئلہ اتنا اہم ہے کہ اس پر سینٹ میں بحث کے لیے ضرور آپ کو وقت دینا چاہیئے۔ میں نے اس سے پہلے بھی اس بات کی درخواست کی تھی۔ لیڈر آف دی ہاؤس نے بھی کہا تھا کہ اگر ہمیں اس کے لیے خاص طور پر سیشن کرنا پڑے تو وہ بھی ضروری ہے۔ میں یہ عرض کروں گا کہ شاید یہ ہمارے ساتھیوں نے اچھا نہیں کیا کہ اس میں افغانستان کے مسئلے کو ملوث کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ کشمیر کا مسئلہ ہمارے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے وہ لوگوں کی آزادی ان کے حقوق کا اور پاکستان کی تکمیل کا اور اس سے بھی بڑھ کے ان لوگوں کی حق خود ارادیت کا مسئلہ ہے جو لوگ ویٹ نام کے حق خود ارادیت کی باتیں کیا کرتے تھے وہ آخر کشمیر کے لیے حق خود ارادیت کی بات کرنے میں کیوں جذباتی ہو جاتے ہیں تو یہ ایسا مسئلہ ہے جسکے اوپر اس ایوان میں بات ہونی چاہیئے اور یہ اس لیے ضروری ہے کہ اس ایوان میں اور قومی اسمبلی میں جو بات آئے گی وہ ساری دنیا کے سامنے پہنچے گی اور عالمی پیمانے پر اس کو اٹھانے کے لیے یہ بے حد ضروری ہے اس لیے میں تحریک پیش کرتا ہوں کہ آپ قائد ایوان سے مشورہ کر

کے اس کے لیے وقت مقرر کریں اور اس کو اولیت دیں تاکہ اس پر ایوان میں کھل کے بحث ہو سکے۔

جناب محمد علی خان: جناب چیئرمین صاحب! جہاں تک کشمیر کے مسئلے کا تعلق ہے تو پچھلی دفعہ ہماری یہ کوشش تھی کہ کم از کم دو یا تین دن ہم اس کے لیے مختص کریں تاکہ کشمیر کے مسئلے پر اس ایوان میں بحث کی جائے لیکن اس وقت چونکہ government business کافی زیادہ تھا ہمیں وقت نہ مل سکا تو اس دفعہ پھر یہاں سیشن میں آنے سے قبل میں نے پروفیسر صاحب سے اس ضمن میں بات کی اور میں نے انہیں بتایا کہ جہاں تک business کا تعلق ہے تو اولین فرصت میں ہم صدر صاحب کے خطاب پر بحث کریں گے اور اسکے بعد انشاءاللہ اسی Kashmir issue پر ہم بحث کریں گے۔ جناب والا! جہاں تک کہ کل کے معاملے کا تعلق ہے حکومت پاکستان نے بے انتہا کوشش کی کہ ہمارے غیر مسلح لوگ وہاں بارڈر کو کراس نہ کریں کیونکہ وہاں جواب فائرنگ سے ملتا اور اگر پاکستان کی حکومت ان لوگوں کو روکنے کی کوشش نہ کرتی تو آج دس بارہ کی جگہ جناب والا کم از کم ۵،٦ ہزار لوگ اس طرف مرے ہوئے ہوتے تو یہ ایک بہت زیادتی ہے۔ یعنی جس نے کوشش کی اپنی، کیا کہتے ہیں ساکھ بڑھانے، اپنی لیڈری کو چمکانے کی کوشش کی اس نے غیر مسلح افراد کو گولیوں سے جھونکنے کی کوشش کی لیکن خداوند تعالیٰ کا فضل تھا کہ ایسا نہ ہو سکا لیکن پھر بھی ہمارے کچھ بھائی وہاں شہید ہوئے ہیں وہ تخریب کار نہیں تھے وہ حریت پسند لوگ ہیں تو ان کے بارے میں قرار داد کی کوئی خاص ضرورت نہیں البتہ دعا کے لیے آپ حکم فرمائیں ہم دعا کریں گے۔

Syed Abdullah Shah : Mr. Chairman ! the tragedy of Kashmiris is being compounded now. On one hand Indians are killings them and now Pakistanis have started killing them.

(Interruption)

جناب چیئر مین: شاہ صاحب میری بات سن لیں یہ کوئی گورنمنٹ کا معاملہ نہیں ہے اس میں سارے پاکستان کے عوام متفق ہیں۔ جہاں تک پاکستان کے عوام کا تعلق ہے جہاں تک پاکستان کی حکومت کوئی بھی ہے چاہے وہ آپ کی حکومت تھی موجودہ حکومت یا اس سے پہلے کی حکومت ہے کسی نے کبھی بھی کشمیر کے حق خود ارادیت پر کبھی compromise نہیں کیا اور ۵ فروری کو آپ نے دیکھ لیا کہ سارے پاکستان نے کشمیر کے عوام کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کیا اور ساری دنیا سے کہا کہ آپ یہ ان کا حق خود ارادیت ان کو دیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورتحال میں کیا ہونا چاہیئے تھا ایک طرف آپ کا بین الاقوامی معاہدہ ہے جس میں دونوں ممالک اس معاہدے کے تحت پابند ہیں کہ وہ Line of Control کی violation نہیں کریں گے۔ دوسری صورتحال یہ تھی کہ جب آپ ہزاروں آدمیوں کو گولیوں کے سامنے لے جارہے ہیں تو پھر کوئی بھی حکومت کیا کرے۔ اس ساری چیز سے آپ یہ سوچیں گہری نظر سے کہ فائدہ کس کو ہوا ہے اور نقصان کس کا ہوا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی چیز سے تحریک کو نقصان ہوتا ہے اور یہ جو واقعات ہیں ان پر آپ سنجیدگی سے غور کریں اور ضروری بات یہ ہے کہ ایوان میں اس پر بحث کرے میں سمجھتا ہوں کہ جب بھی یہ President's Address ختم ہو اس پر بحث ہونی چاہیئے اور آپ لوگوں کو اجازت ہوگی کہ آپ اس پر دل کھول کر اظہار خیال کریں۔

جناب منظور احمد گچکی : جناب والا! میں بھی اس سلسلے میں آپ کی اجازت سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ جناب والا! اس ایوان میں صرف ایک ہی ایسا موقع آتا ہے President's Address کا جس پر اس ایوان کے ممبران کو یہ موقع ملتا ہے کہ ہر issue پر وہ بولیں میں سمجھتا ہوں کہ کشمیر کے issue پر اس ایوان میں Presidential speech کے جواب میں جو معزز رکن بولنا چاہے گا وہ کشمیر کے مسئلے کو اٹھا سکتا ہے۔

جناب چیئرمین : ٹھیک ہے وہ اٹھائے۔

جناب منظور احمد گچکی: جناب والا! دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح آپ نے فرمایا کہ جی کسی نے بھی کشمیر کے لوگوں کے حق خود ارادیت کے خلاف بات نہیں کی اور کسی نے بھی اس کو discourage نہیں کیا میں سمجھتا ہوں جناب والا! کہ کل جتنے لوگ مرے ہیں اس کی responsibility کچھ political parties پر آتی ہے کہ جو اس pitch پر ان کو لے گئے کہ وہاں جا کر ان کو مارا گیا اور اب ان کو شہید بنا کر ان کے نام پر پاکستان میں سیاست کریں گے میں سمجھتا ہوں جناب والا کہ ان لوگوں نے جو یہ double standard رکھا ہوا ہے یہاں سے لوگوں کو اٹھاؤ جام شہادت کے لیے اور............

جناب چیئرمین : آپ کی باری ابھی آئے گی تو آپ اپنی تقریر میں یہ بات کریں۔

جناب منظور احمد گچکی : جناب والا! یہ کوئی الگ issue نہیں ہے کہ اس پر الگ بحث کی جائے۔

جناب چیئرمین : ٹھیک ہے آپ کریں، جی مندوخیل صاحب۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: جناب والا! میں عرض کروں گا کہ President's statement میں یہ issue آیا ہے اس پر ہم سب بات کریں گے۔

جناب چیئرمین : بالکل کریں گے۔ جی جناب عباس شاہ صاحب۔

سید عباس شاہ: میں اپنے دوستوں کی آراء سن چکا ہوں اور میں بھی اس پر کچھ کہنا چاہتا ہوں کیوں کہ ہم یہاں مختلف پارٹیوں کے لوگ موجود ہیں اور انہوں نے اپنی رائے دی آپ نے جو کچھ کہا وہ صحیح کہا کہ اس قوم کی یعنی ہماری international commitment ہے لیکن اسی طرح آزادی کے لیے قربانیاں بھی دی جاتی ہیں میں سمجھتا ہوں کہ آج اور کل اگر ان چیزوں پر debate نہ ہو سکے تو اس کی افادیت ختم ہو جائے گی میں اپنے Leader of the House کے through بھی propose کروں گا کہ اگر ایک sitting شام کے وقت بھی ہو دو دن اس President's Address کے علاوہ اس پر بھی بحث ہو سکے تو وہ میری یہ ایک proposal تھی اگر آپ قبول فرمائیں۔

جناب چیئرمین : شاہ صاحب! اس میں یہ ہے کہ آپ آپس میں مشورہ کر لیں لیکن اس کے دوران بھی یعنی President's Address کے دوران بھی آپ مسئلہ کشمیر پر بات کر سکتے ہیں کوئی ممانعت نہیں۔ جی جناب بشارت الٰہی صاحب۔

Dr. Basharat Elahi : Thank you Mr. Chairman. In the first instance I would like to fully endorse the action taken by the Government of Pakistan. وہاں پر ان کو روکنا چاہیئے تھا نہیں تو بہت زیادہ خون خرابہ ہوتا So I am with the government on this issue there are no two things about it. دوسری ایک اور چیز جو ہے میں آپ کی توجہ نوائے وقت فروری ۱۲، ۱۹۹۲ء کی طرف مبذول کراؤں گا جس میں سینٹ کے حوالے سے جو خبر دی ہوئی ہے اس کی سرخی یہ ہے وہ کہتے ہیں کہ پاکستان میں حکمرانوں کو تبدیل کرنے تک مکمل اسلامی نظام نافذ نہیں ہو سکتا، حالانکہ میرا خیال ہے آپ کو یاد ہو گا آپ ہی پرسوں صدارت فرما رہے تھے اس قسم کی کوئی بات کوئی نہیں ہوئی اور یہ غلطی بھی جان بوجھ کر نہیں کی ہوئی اصل میں یہ سرخیاں تبدیل ہو گئی ہیں کوئی اور سرخی یہاں پر لگ گئی ہے یہ کاپی میں آپ کو دے دیتا ہوں لیکن کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اخبار والوں کو چاہیئے، عام پبلک کو جب یہ اخبار ملے گا شاید وہ سمجھیں کہ اس قسم کی بات سینٹ میں ہوئی ہو یا کسی ہمارے دوست نے............

جناب چیئرمین : یہ کس کے حوالے سے خبر لگائی ہے جی۔

ڈاکٹر بشارت الٰہی : میں آپ کو اخبار دے دیتا ہوں آپ خود ہی دیکھ لیں۔ سینٹ کے حوالے سے انہوں نے لکھا ہوا ہے، پاکستان میں حکمرانوں کو تبدیل کرنے تک مکمل اسلامی نظام نافذ نہیں ہو سکتا اور پھر اس کے نیچے لکھا ہوا ہے "میں نے معذرت قبول کر لی ہے، حافظ حسین احمد" "مسئلہ کو جاری رکھنا پارلیمانی روایت کے خلاف ہے' وفاقی وزیر قانون" اور پھر نیچے ہے " تحریک استحقاق نمٹا دی گئی" محمد علی ہوتی، ڈاکٹر بشارت، بہرہ ور سعید، عباس شاہ، عبدالرحیم، فصیح اقبال اور پروفیسر خورشید کے نام کی جگہ لکھا ہوا ہے

"پروفیسر خورشید کا اظہار خیال"، اصل میں یہ سرخی جو ہے اس کے نیچے ایک اور خبر ہے وہاں پر ہونی چاہیئے تھی اور اس کی سرخی اس پر لگی ہوئی ہے اس میں لکھا ہوا ہے "سپیکر نے معذرت کر لی ہے آئندہ سینٹروں سے بد اخلاقی نہیں ہو گی"، وسیم سجاد۔ مطلب یہ ہے کہ بدل گئی ہے لیکن یہ جان بوجھ کر نہیں کیا ہو گا غلطی ہو گئی ہو گی آپ انہیں یہ............

جناب چیئرمین : یہ نوائے وقت ہے؟

ڈاکٹر بشارت الٰہی: یہ میں آپ کو دے دیتا ہوں۔

جناب چیئرمین : میرا خیال ہے ان سے request کر لیں گے کہ مہربانی کر کے اس کی تصحیح کر لیں تو بہتر ہو گا۔

حافظ حسین احمد: جناب چیئرمین! میں گزارش کروں گا جہاں تک قائد ایوان اور دوسرے ہمارے معزز ارکان اور آپ کے جو ارشادات تھے وہ بجا ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ حکومت خاموش ہے۔ ایکطرف تو وزیر اعظم صاحب نے کہا ہے کہ حکومت اس واقعہ کی تحقیقات کرائے گی اور دوسری طرف یہ کہا جا رہا ہے کہ ان کو روکنا صحیح تھا اور خوش قسمتی سے ہمارے وزیر دفاع صاحب اس وقت موجود ہیں میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک دفاعی نوعیت کا مسئلہ تھا اس پر اگر محترم غوث علی شاہ صاحب پاکستانی حکومت کا موقف بیان کریں تو اس سے تمام لوگ باخبر ہو جائیں گے۔

جناب چیئرمین : میرا خیال ہے فی الحال ان سے request کرنا مناسب نہیں ہو گا آپ تقاریر کے دوران یہ بات کریں گے تو اس کے بعد جواب آ جائے گا۔

حافظ حسین احمد : ہمیں پتہ ہے جی ہم انہیں آزمائش میں نہیں ڈالنا چاہتے۔

جناب چیئرمین : یہ ایک حساس مسئلہ بھی ہے یہ دفاعی لحاظ سے بھی حساس ہے۔

حافظ حسین احمد : میرے اور کسی اور کے اظہار خیال کرنے کی بجائے اگر وزیر دفاع صاحب اس پر اظہار خیال کریں تو زیادہ مناسب ہے۔

جناب چیئرمین : جناب یحییٰ بختیار صاحب۔

Mr. Yahya Bakhtiar : Sir, I just want to draw your attention to the paper as has been pointed out by Dr. Bisharat Elahi, I never said the other day Sir, that under Section 5A(1), the power could be delegated, that was your observation.

Mr. Chairman : But you said 'I agree'.

Mr. Yahya Bakhtiar : I never said, 'I agree'.

Mr. Chairman : I remember, you said, 'I agree'.

Mr.Yahya Bakhitar : I think that is misunderstanding.

جناب چیئرمین : بہر حال نہیں تو نہیں کیا ہوگا لیکن مجھے شاید یاد ہے کہ آپ نے کہا تھا 'ہاں'۔

Mr. Yahya Bakhtiar : Merely, I said this power does not exist, he can not use that power in any manner he wants.

Mr. Chairman : So, it is a genuine difference of opinion.

Mr. Yahya Bakhtiar : Yes.

جناب چیئرمین : فاتحہ خوانی کر لیں...... ایک منٹ جی یحییٰ بختیار صاحب کچھ اور بھی کہنا چاہتے ہیں۔

Mr. Yahya Bakhtiar : Sir, I have mentioned the names of four/five judges, I said those honourable judges who sacrificed........

جناب چیئرمین : انہوں نے وہ غلط نام چھاپ دیئے فخر عالم کی جگہ فخر امام آ گیا۔

Mr. Yahya Bakhtiar : (**** **** **** ****)

Mr. Yahya Bakhtiar : Sir, I had mentioned the names of Sardar Fakhr-e-Alam, Judge, Justice Hafeez Ahmad.

****Expunged as Ordered by the Chairman.

Mr. Chairman : Justice Raheem Qazi.

Mr. Yahya Bakhtiar : No Sir.

جناب چیئرمین : آپ نے کہا تھا کہ بہت اچھے جج ہیں لیکن evidence ٹھیک نہیں آرہی۔

جناب یحیٰی بختیار : وہ دوسرے context میں تھا میں نے کہا تھا کہ قاضی جمیل صاحب جو تھے ان کا تھا اور عنایت الٰہی خان کا and one or two other Judges, I mentioned.

جناب چیئرمین : اور بھی اچھے ہیں۔ there are many good Judges.

جناب یحیٰی بختیار : نہیں جی جن کو سزا ملی ہے میں ان کا ذکر کر رہا تھا۔

جناب چیئرمین : ظلہ صاحب بڑے اچھے جج ہیں شفیع الرحمٰن بڑے اچھے ہیں سپریم کورٹ کے سارے اچھے ہیں۔ نسیم حسن شاہ صاحب بڑے اچھے ہیں there are so many good Judges.

Mr. Yahya Bakhtiar : No dispute Sir, in that.

Mr. Chairman : Let us not discuss their conduct سارے اچھے ہیں۔

Mr. Yahya Bakhtiar : Sir, I also don't want to go into their history but I only wanted to tell you about whom I had mentioned.

FATEHA

جناب چیئرمین : ٹھیک ہے۔ فاتحہ کر لیں۔ حافظ حسین احمد صاحب۔

(فاتحہ خوانی کی گئی)

جناب چیئرمین : چوہدری غفور صاحب آپ سے صرف ایک گزارش کرنی تھی کل کچھ سینیٹرز صاحبان میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے یہ گلہ کیا تھا صدر صاحب کے

خطاب پر بحث بہت اہم بحث ہوتی ہے جنرل ڈسکشن ہوتی ہے مختلف امور زیر بحث آتے ہیں تو دو چیزیں نوٹ کی گئیں ایک تو وزراء کی تعداد کم تھی دوسرا یہ کہ گیلری میں بھی آپ کے جو آفیسرز ہونے چاہئیں تاکہ وہ نوٹس لیں خصوصی طور پر میں سمجھتا ہوں فارن آفیئرز کا، انٹیریئر کا، ڈیفنس کا، قانون کا، فنانس کا یہ لوگ ہونے چاہئیں تاکہ آخر جو بھی (wind up) کریں آپ شاید وائنڈاپ کریں گے تو آپ کی سہولت کے لیے بھی یہ مناسب ہوگا ان کو ہدایت کی جائے کہ ان کے نوٹس لیے جائیں تاکہ بعد میں مناسب طور پر اس کا جواب دیا جا سکے۔

<u>چوہدری عبدالغفور</u>: جناب اس کی پہلے ہدایت موجود ہے اور یہ جو ریکارڈنگ ہے وہ collect کر کے ہدایت بھی کر دی گئی ہے اور آئندہ بھی کر دیں گے تمام محکموں کے جو متعلقہ افسران ہیں وہ یہاں موجود رہیں گے اور ہمارے زیادہ سے زیادہ وزراء صاحبان بھی موجود رہیں گے۔ اس کے نوٹس لیے جارہے ہیں سارے نوٹس شام کو collect کر لیے جاتے ہیں اور اس پر مناسب جواب دیا جائے گا یہ ساری چیزیں نوٹ کی جارہی ہیں۔

<u>جناب چیئرمین</u> : گیلری میں میں دیکھ رہا ہوں کہ سارے محکموں کی نمائندگی نہیں ہے۔ جناب پروفیسر خورشید صاحب۔

<u>پروفیسر خورشید احمد</u>: آپ نے جو فرمایا میں اس کی پوری تائید کرتا ہوں لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بنیادی طور پر یہ ذمہ داری وزراء کی ہے اور پارلیمانی روایات اس پر شاہد ہیں کہ سرکاری نمائندوں کے نوٹس جو ہیں وہ اصل اہمیت نہیں رکھتے اگر آپ اپنے رولز کو دیکھیں اور پارلیمانی روایات پر آپ نگاہ ڈالیں تو آپ یہ دیکھیں گے کہ گیلری میں بیٹھ کر نوٹ لینا جو ہے یہ خلاف قانون ہے اور یہ اس ہاؤس کی contempt ہے۔

<u>جناب چیئرمین</u> : وہ کون سا رول ہے۔

<u>پروفیسر خورشید احمد</u> : آپ کو پیش کر دوں گا آپ کوئی بھی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں یعنی گیلری میں بیٹھ کر کوئی شخص نوٹس نہیں لے سکتا ہے۔ گیلری سے باہر نوٹس لیے جا سکتے ہیں۔

جناب چیئرمین : جو متعلقہ محکمے کے افسران ہوتے ہیں۔

پروفیسر خورشید احمد : پریس گیلری میں یہ کام ہو سکتا ہے وہ اسی لیے بنی ہوئی ہے لیکن جہاں تک یہ نیچے کا ہاؤس ہے اس میں جو افراد بیٹھیں گے۔ اور میں آپ کو یاد دلاؤں گا یہ مسئلہ ایک مرتبہ غلام اسحاق خان صاحب جب سینٹ کے چیئرمین تھے اٹھا تھا اور اس موقع پر ہم نے یہ اعتراض اٹھایا تھا کہ کچھ افراد وہاں بیٹھ کر نوٹس لے رہے تھے انہوں نے Warn کیا اور وہ نوٹس لینا بند کرایا آپ چاہیں گے تو میں آپ کو پارلیمانی precedents پیش کر دوں گا۔

جناب چیئرمین : وہ انٹیلی جنس کے لوگ تھے۔

پروفیسر خورشید احمد : کوئی بھی ہوں انٹیلی جنس کے ہوں یا نان انٹیلی جنس ہوں۔

جناب چیئرمین : ایسا کام جو چھپا کر کیا جاتا ہے وہ تو خیر غیر پارلیمانی ہے۔

پروفیسر خورشید احمد: آپ ذرا review کر لیں فی الحقیقت یہاں پر............

جناب چیئرمین : آپ مجھے بتادیں آپ کو مزید......

پروفیسر خورشید احمد: میں جو بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے اس کا حل صرف ایک ہے وہ یہ ہے کہ وزراء کرام کی ایک فوج ظفر موج موجود ہے یہاں پر موجود رہیں اور اپنے اپنے شعبوں کے متعلق خود نوٹس لیں یا ان کے جو منسٹر آف سٹیٹ ہیں وہ نوٹس لیں اس کے علاوہ کسی دوسرے پر depend کرنا صحیح نہیں ہے۔

جناب چیئرمین : وہ اپنی جگہ پر درست ہے کہ وزراء کو یہاں پر ہونا چاہیئے لیکن بادی النظر میں کہ افسران نوٹس نہیں لے سکتے۔ انٹیلی جنس کی اور بات ہوتی ہے لیکن افسران جو ہیں وہ نوٹس لے سکتے ہیں جب تک آپ کوئی اس کے برعکس ایسی نظیر پیش نہ کریں میں سمجھتا ہوں کہ نوٹس لے سکتے ہیں بہرحال جب آپ کے دلائل آئیں گے تو دیکھیں گے۔

چوہدری عبدالغفور : جناب میں یہ clarify کر دوں کیونکہ پروفیسر صاحب کی بات تو بالکل بجا ہے کہ وزراء کو موجود ہونا چاہیئے لیکن کیونکہ at a time دونوں سیشن

چل رہے ہیں نیشنل اسمبلی کا بھی وہاں بھی Legislation ہو رہی ہے تو وہاں بھی ضرورت تھی......

جناب چیئرمین : Legislation ہو رہی ہے کل تو سنا تھا کہ کورم نہیں ہے۔

چوہدری عبدالغفور : کل کی بات ہوئی ناں......

جناب چیئرمین : شاید اخبار نے غلط لکھا ہے۔

چوہدری عبدالغفور : اخبار نے صحیح لکھا ہے لیکن کچھ جلدی ہو گئی کہ سیشن جلدی شروع ہو گیا in time شروع ہو گیا اس کے بعد کورم تو پورا ہو گیا لیکن the House was adjourned. دونوں ہاؤسز بیک وقت run کر رہے ہیں اس لیے کوشش کی جائے کہ زیادہ سے زیادہ......

جناب چیئرمین : شکریہ۔ جی ڈاکٹر بشارت الٰہی صاحب۔

ڈاکٹر بشارت الٰہی : لاء منسٹر صاحب نے ابھی فرمایا تھا کہ یہ ریکارڈنگ وغیرہ سن کر اس کے جواب تیار کرتے ہیں تو چیئرمین صاحب میری تجویز یہ ہو گی یہاں ہاؤس اور آپ کا وقت ضائع ہوتا ہے ہم بھی اپنی اپنی تقریر ریکارڈ کر کے یہاں لا کر دے دیا کریں اور پھر وہ سن کر اس کا جواب دے دیا کریں Sir, I am not prepared to accept this excuse of the Law Minister. It is imperative Sir, that these Ministers are here. یہ کہہ رہے ہیں کہ وہاں لیجسلیشن ہو رہی ہے وہاں سے آپ پتہ کریں کہ کتنے منسٹر وہاں پر ہیں They are 49 excluding the Parliamentary Secretaries. They just don't take interest in the work. باقی جو میں نے کہنا ہو گا اپنی تقریر میں کہوں گا۔

چوہدری عبدالغفور : میں اس کی تصحیح کر دوں میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ exclusively ہم اسی پر depend کرتے ہیں میں نے یہ عرض کیا تھا نوٹس لیے جا رہے ہیں مزید instructions جاری کر دی جائیں گی کہ کوئی متعلقہ محکمہ کا ذمہ دار افسر یہاں پر موجود رہے

یہاں وزراء بھی موجود رہنے چاہئیں اس میں کوئی دو آراء نہیں ہو سکتیں لیکن اس کے باوجود ایک ریکارڈ جو ہے وہ کمپائل ہو کر سارے پوائنٹس کے اوپر کوئی پوائنٹ miss نہیں کریں گے۔ but we don't exclusively depend on the recording. لیکن اس سے بھی استفادہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

جناب چیئرمین : جی جناب حافظ صاحب۔

حافظ حسین احمد : آپ نے رولنگ دی تھی کہ انٹیلی جنس والے نہیں لے سکتے تو وزارت داخلہ والے نہیں آسکتے۔ وہ تو انٹیلی جنس سارا......

جناب چیئرمین : کیوں نہیں آسکتے۔ وہ ایک مخصوص واقعہ تھا چوہدری صاحب نے جس کی نشاندہی کی تھی وہ انٹیلی جنس والے یہاں بیٹھے ہوئے کچھ خفیہ ریکارڈ تیار کر رہے تھے لیکن آپ کو پتہ ہے کہ پاکستان کی انٹیلی جنس بھی ایسی ہوتی ہے کہ آپ کو پتہ چل جاتا ہے تو وہ پتہ چل گیا۔ پروفیسر صاحب نے شاید وہ نکتہ اٹھایا تھا اس پر غلام اسحاق خان صاحب نے کہا تھا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ ہاؤس کی کارروائی کو اس طریقے سے کیا جائے۔ جی جناب بہرہ ور سعید صاحب۔

اخوانزادہ بہرہ ور سعید : پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب میری گزارش یہ ہے کہ یہ بھی حکومت کی بڑی مہربانی ہے کہ اس وقت تین وزراء کو اجازت دی گئی وہ یہاں تشریف رکھتے ہیں حالانکہ ۴۹ ہیں اگر ان کی نظر میں قومی اسمبلی کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے تو اس کو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس کی اہمیت ہے مگر اس اہمیت کو وہ محسوس کریں اور وہاں تو تشریف رکھیں ناں۔ نہ وہ وہاں موجود ہوتے ہیں نہ یہاں تشریف رکھتے ہیں تو ہم کس کے سامنے اپنی وہ تجاویز پیش کریں اور کس کے سامنے بات اٹھائیں بڑے بڑے اہم فیصلے ہوتے ہیں مثلاً ایک سرکلر آیا ہوا ہے واپڈا میں کہ تم سارے ceases کرو۔ اپوائنٹ منٹس۔ وہ تو سیز کرتے ہیں وہاں چیئرمین بادشاہ بنا ہوا ہے وہ سب اپوائنٹ منٹ کریگا۔

جناب چیئرمین : اپنی تقریر میں یہ نکتہ اٹھائیں ناں۔ یہ ساری باتیں......

اخوانزادہ بہرہ ور سعید : یہ ایسی باتیں ہیں وزراء یہاں ہوتے تو ہم انہیں بتاتے تقریر میں تو وقتاً فوقتاً ہم کریں گے آپ اجازت دیں گے تو انشاءاللہ تقریر ضرور کریں گے ایسی باتیں ہیں۔ وہ جام صاحب بیٹھے ہوئے ہیں ایسی باتیں ہیں ان کا ہم کیا کریں۔ اس کو سیز کرو۔

جناب چیئرمین : ٹھیک ہے۔ جی اقبال حیدر صاحب۔

سید اقبال حیدر : جناب! میری تجویز ہے کہ بہرہ ور سعید صاحب کو پچاسواں وزیر بنایا جائے وہ ہمیشہ باقاعدگی سے ایوان میں آتے ہیں۔ وزراء کی کمی پوری کر دیں۔

جناب چیئرمین : اپنے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا۔

جناب چیئرمین : خدا مجھے معاف رکھے۔

اخوانزادہ بہرہ ور سعید : میں ان کا بڑا مشکور ہوں لیکن میں وزیر کی بجائے یہاں بیٹھنا بہتر سمجھتا ہوں تاکہ ان کا جواب دے سکوں۔ میں وہاں بیٹھنا پسند نہیں کروں گا کیونکہ وہاں میرے دوست بیٹھے ہوئے ہیں، جہانگیر صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔

جناب چیئرمین : شکریہ۔ I think we will go on to the regular business now. Privilege Motion in the name of Syed Iqbal Haider.

جی، آپ تشریف رکھیں، پہلے میں رخصت کی درخواستیں پڑھ لوں۔

LEAVE OF ABSENCE

جناب چیئرمین : مہر خداداد خان لک صاحب ذاتی مصروفیات کی بنا پر ۱۱ر فروری کو اجلاس میں شرکت نہیں کر سکے۔ انہوں نے اس ایوان سے اس تاریخ کے لئے رخصت کی درخواست کی ہے۔ کیا ایوان ان کی رخصت منظور کرتا ہے۔

(رخصت منظور کی گئی)

جناب چیئرمین : ڈاکٹر عبدالغفار جتوئی صاحب ذاتی مصروفیات کی بنا پر ۱۳ اور ۱۶ فروری کو اجلاس میں شرکت نہیں کر سکیں گے اس لئے انہوں نے ان دنوں کے لئے

رخصت کی درخواست دی ہے۔ کیاایوان ان کی رخصت منظور کرتا ہے۔

(رخصت منظور کی گئی)

اس کے علاوہ آج مجھے قاضی حسین احمد صاحب کا ٹیلی فون آیا تھا کہ وہ بھی اس اجلاس میں، فروری کے مہینے میں شرکت نہیں کر سکیں گے۔ کیا ایوان ان کی رخصت منظور کرتا ہے۔

سیداقبال حیدر : یہ جناب discrimination ہے۔

Mr. Hasan A. Shaikh : Mr. Chairman, we will also do that.

جناب چیئر مین : جی، مجھے رولز دیکھ لینے دیں.......... ٹھیک ہے جی، درخواست کا تحریری ہونا ضروری ہے۔ میں اسے اب واپس لیتا ہوں جب یہ درخواست تحریری آئے گی تو میں اسے دوبارہ ہاؤس میں put کر دوں گا۔

Mr. Hasan A. Shaikh : Thank you, Sir.

PRIVILEGE MOTION

جناب چیئر مین : فیکس پر ہو سکتی ہے۔

اقبال حیدر صاحب.Privilege Motion No. 7

(1) RE : BREACH OF PARLIAMENTARY PRIVILEGE

Syed Iqbal Haider : Thank you, Mr. Chairman.

I beg to raise a question of breach of parliamentary privilege arising out of the failure of the Minister for Water and Power Jam Muhammad Yousaf who had given an assurance on the floor of the House on 17th November, 1991 to order an inquiry into the issue raised by me through adjournment motion No. 134 regarding purchase of defective and substandard insulator by WAPDA and disposal of machinery by WAPDA on cost less than the purchase price.

To the best of my knowledge and information no inquiry has been instituted by the honourable Minister as was committed by him in the House while discussing the above motion.

The aforesaid failure of the honourable Minister for Water and Power is a clear breach of parliamentary privilege and this motion deserves to be admitted and discussed forthwith.

جام محمد یوسف : اپوزڈ۔

جناب چیئرمین : جی، آپ اسے اپوز کر رہے ہیں۔ اقبال صاحب، آپ اس پر کچھ مزید کہنا چاہیں گے۔

سید اقبال حیدر : جام صاحب کی explanation کے بعد اگر ضرورت پڑی تو عرض کروں گا۔

جام محمد یوسف: جناب چیئرمین! میں اس کی وضاحت اس طرح کرنا چاہتا ہوں کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ انکوائری ٹیم constitute ہو چکی ہے۔ اس انکوائری ٹیم کے جو ممبر ہیں، وہ انجینئرنگ ایڈوائزر پاور کے منتخب ہوئے ہیں دو رکن مینو فیکچرز ایسوسی ایشنز سے لئے گئے ہیں۔ اس انکوائری میں دو واپڈا ٹیم کے permanent Engineers ہیں۔ میں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر اقبال حیدر صاحب اس انکوائری ٹیم میں شامل ہونا چاہیں تو

He is most welcome.

میں مزید وضاحت کرتے ہوئے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ جو isulators ہیں یہ واقعی صحیح نہیں تھے جن کی complaints بھی ملی تھیں اور ان کو دوبارہ recycling کیا گیا اور دوبارہ نئے insulators لگائے گئے ہیں لیکن جب سینٹر صاحب نے زور دیا کہ واقعی اس کی جو لاگت آئی ہے اس کے تحت انکوائری کی جائے تو بہتر ہے۔ تو میں نے کہا تھا کہ کمیٹی کو constitute کا جائے تو میں آج بھی یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہم نے کوئی privilege breach نہیں کیا ہے۔ سینٹر صاحب کا بلکہ میں آج بھی floor of the House پر کہوں گا کہ کوئی ایسی چیز جو پاکستان کی اور پاکستان کے عوام کے مفاد کے خلاف

ہو۔اور جو per capita cost ملک کی عوام سے وابستہ ہے، جو کہ نیشنل انکم پالیسی پر آراء ہوتی ہے، اس پر کوئی ہرج آتا ہے تو ہم انشاءاللہ اس پر انکوائری بھی کرائیں گے اور اس میں جو افراد بھی کرپشن میں ملوث پائے گئے، ان کے خلاف سختی سے کارروائی کی جائے گی۔

Mr. Chairman : So, in the light of this you (Syed Iqbal Haider) don't press it.

سید اقبال حیدر : جناب، میں ایک دو چیزیں پوچھنا چاہوں گا کہ ایک تو یہ کہ یہ نوٹیفکیشن کب جاری ہوا تھا............

جناب چیئرمین : بھائی ' یہ Question Hour تو نہیں ہے۔ آپ مجھے بتائیں کہ آپ ان کی سٹیٹمنٹ کے بعد مطمئن ہیں یا نہیں ہیں۔

سید اقبال حیدر : جناب ' میں عرض کرتا ہوں کہ دوسری بات یہ ہے کہ مجھے یہ بتائیں کہ یہ انکوائری کب تک مکمل ہو گی۔

جناب چیئرمین : یہ دیکھیں ناں آپ نے اسے Question Hour بنادیا ہے۔

سید اقبال حیدر: جناب ' یہ Question Hour کی بات نہیں ہے بلکہ بنیادی باتیں ہیں۔

جناب چیئرمین : جی ' ان کو بتادیں۔ وہ تو کہتے ہیں کہ آپ بھی انکوائری کمیٹی میں شامل ہو جائیں۔

سید اقبال حیدر: جناب ' اگر یہ سینٹ کے اراکین کی کمیٹی بنادیتے ہیں تو پھر تو میں شامل ہو جاؤں گا تاہم میں اکیلا انجینئرز کے ساتھ کیسے بیٹھ سکتا ہوں۔

جناب چیئرمین : انہوں نے آپ سے کہا ہے کہ آپ شامل ہو جائیں۔ تو کیا آپ اس میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا نہیں۔

سید اقبال حیدر: جناب ' ان انجینئرز کے ساتھ میں اپنے آپ کو نہیں بٹھا سکتا ہوں۔

unless I am the Chairman and there are few other Senators with me.

جناب چیئرمین : چلیں، ٹھیک ہے۔

جام محمد یوسف : جناب والا! میں یہ بھی کہوں گا کہ اگر یہ دو تین سینٹرز کو ان میں شامل کرنا چاہتے ہیں تو I would welcome it.

Syed Iqbal Haider : I accept this offer, Sir.

Jam Muhammad Yousaf : Provided the Senator should see me in the office so that I can discuss with him the various issues.

سید اقبال حیدر : اور باقاعدہ نوٹیفیکیشن issue کریں I will be willing to join.

Mr. Chairman : So, in the light of the statement, this is dropped.

DISCUSSION ON THE PRESIDENT'S ADDRESS

Now we have this debate on the President's Address. محمد علی خان صاحب، آپ کی تقریر ختم ہو چکی تھی۔

جناب محمد علی خان: جی،

جناب چیئرمین : ٹھیک ہے جی، منظور احمد گچکی صاحب،

(ڈیسک بجائے گئے)

جناب منظور احمد گچکی : شکریہ۔ جناب چیئرمین صاحب، جناب والا! آج کی ڈیبیٹ جس کے متعلق میں عرض کرتا ہوں کہ، صدر کی تقریر کے بعد، ممبران کا حق ہے کہ اس پر بات کریں۔ ہم جس تقریر کے حوالے سے یہاں بات کریں گے وہ اہم بھی ہے اور شاید اس سال کی سب سے زیادہ disputed، controversial تقریر ہے۔

جناب والا! اگر یہ تقریر ایسی نہ ہوتی تو شاید پارلیمنٹ کے اندر جو کچھ ہوا وہ نہ ہوتا۔

جناب چیئر مین، مجھے یاد ہے کہ جب صدر پاکستان نے نیشنل اسمبلی میں تقریر کی تھی تو اس وقت صدر پاکستان نے اپنی opinion کو اس میں جگہ دی تھی۔ اگر آپ ان کی پرانی تقریر کو پڑھ لیں تو آپ کو وہاں دکھائی دے گا کہ اس میں President's opinion reflect کرتی ہے لیکن جو موجودہ تقریر ہے جو کہ انگریزی میں بھی خوبصورت لکھی گئی ہے اور اردو میں بھی لفاظی کے اعتبار سے اچھی ہے میں اس پر جناب سر تاج عزیز اور ان کے رفقاء کار کو داد دیتا ہوں کہ انہوں نے اس کو بہت خوبصورت الفاظ میں تحریر کیا اس میں facts کم ہیں لیکن لفاظی میں یہ تقریر ڈرافٹ کی گئی ہے۔

جناب والا! ویسے بھی روایات ہیں یہ تقریر صدر کی اپنی نہیں ہوتی ہے بلکہ ہمیشہ گورنمنٹ کی لکھی ہوئی ہوتی ہے اور یہ تقریر ٹوٹل گورنمنٹ کی پالیسیوں کو reflect کرتی ہے لیکن اگر صدر چاہیں تو اس میں اپنی opinion کو بھی جگہ دے سکتے ہیں جس طرح کہ انہوں نے پیپلز پارٹی کے دور میں کیا۔ مجھے یاد ہے کہ ہم جب ان سے ملے تھے تو انہوں نے کہا تھا کہ جو تقریر ڈرافٹ کی گئی ہے، مجھے اس سے اختلاف ہے، میں اس میں مختلف ایسی چیزیں ڈالوں گا جس سے میری opinion reflect ہو سکے۔ اور ہم نے اس بات کی تائید کی۔ لیکن اس میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی ہے کیونکہ جن جن حوالوں سے وہ اس حکومت سے اختلافات رکھتے تھے وہ چیزیں بعینہ ہی آج بھی موجود ہیں۔ مثلاً جناب والا! پہلے ۱۰ فیصد کا ذکر ہوتا تھا اور اب ۹۰ فیصد بھتے کا ذکر ہوتا ہے۔ جناب! اس وقت لاء اینڈ آرڈر کی بات ہوتی تھی کہ سندھ میں لاء اینڈ آرڈر کی صورت حال صحیح نہیں ہے جناب والا، وہاں آج بھی لوگ اغواء ہوتے ہیں اور صرف اس ایک سال میں ایک ہزار سے زیادہ افراد اغواء ہوئے ہیں اور نہ جانے کتنوں کو قتل کیا گیا ہے۔

جناب والا! میرے بائیں جانب بیٹھے ہوئے سینٹر اعجاز جتوئی کے بھائی اور عبدالحمید جتوئی کے بیٹے کو سندھ سے اغوا کرنا، ایسے لگتا ہے کہ جیسے ناممکن ہے لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ اعجاز جتوئی کے بھائی کو اغوا کئے ہوئے تین دن ہو گئے ہیں اس کے متعلق مجھے کسی دوست نے بھی بتایا ہے کہ اس کے بارے میں پریس میں بھی آچکا ہے۔

جناب والا! اس کے بعد یہ کہا جاتا ہے کہ پیپلز پارٹی کے دور میں مشترکہ مفادات کی کونسل کا اجلاس نہیں بلایا گیا تھا یہ ٹھیک ہے کہ یہ ایک بہت ہی unconstitutional عمل تھا جو پیپلز پارٹی کی دور میں ہوا۔ لیکن جناب والا! کیا یہ جواب meetings بلائی گئیں تو کیا اس میں وہ تمام فیصلے کئے گئے جو کرنے چاہئے تھے یقیناً جناب والا نہیں کئے گئے۔

جناب والا! میں آپ کی توجہ صدر صاحب کے خطاب کے کچھ بنیادی حصوں کی طرف مبذول کراؤں گا۔ اس میں صدر صاحب یہ لکھتے ہیں کہ جہاں اس حقیقت کے بارے میں دو آراء ممکن نہیں وہاں اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ محض مخصوص نوعیت کے چند اداروں کا قیام جمہوریت نہیں کہلاتا، جمہوریت سوچنے، سمجھنے، عمل کرنے اور رد عمل کے اظہار کا پورا ایک کلچر ہے اور صدر کی speech کے مطابق اخلاقی انحطاط کی زد میں پورا معاشرہ آچکا ہے اور مناسب جمہوری کلچر پیدا نہیں ہوا۔ جناب والا! میں صدر کی اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ جمہوریت جو ہے وہ ان چند اداروں کے قیام کا نام نہیں ہے۔ یقیناً جناب والا! جمہوریت one man, one vote نہیں ہوتی اس کی بنیاد ضرور ہوتی ہے لیکن یہ مکمل جمہوریت نہیں ہوتی۔ جمہوریت جناب والا! ایک relative torminology ہے جس سے سوسائٹی کے اندر ان تمام خوبیوں کی نشاندہی اس کے ذریعے سے کی جاتی ہے۔ جمہوریت کے اندر ان تمام تضادات کو ختم جاتا ہے اس لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ جمہوریت اس کا نام نہیں ہے اسی لئے مجھے یہاں ان سے اختلاف نہیں ہے۔ لیکن جناب والا! مجھے صدر صاحب کی تقریر کے اسی حصے سے اختلاف ہے کہ جی ہمارا معاشرہ انحطاط کا شکار ہے یقیناً ہے، لیکن کیا کس نے؟ مسئلہ یہاں یہ ہے کہ یہاں جو کچھ

آپ سوسائٹی میں دیکھ رہے ہیں۔ ہیروئن، چرس، تخریب کاری، اغوا، غنڈہ گردی، ڈکیتی اور domination جو بیوروکریسی اور اوپر والے جو ہمارے بڑے بڑے ناخدا ہیں ان کا، جناب والا! یہ ہم نے نہیں کیا یہ انہی لوگوں نے کیا ہے جن کا وہ اظہار کر رہے ہیں۔ جناب والا! یہ ملک تقریباً ۲۸ سال تک انڈر مارشل لاء رہا ہے اس میں چار پانچ سال سے ہمارے لوگ اختلاف رکھتے ہیں لیکن میں اس کو مارشل لاء سے کم نہیں سمجھتا میں سمجھتا ہوں کہ That is a part of martial law اور اختلاف کو ویلکم۔ اب ۲۸ سال کے اندر جمہوریت کو جس طریقے سے روندا گیا نظریہ پاکستان کے نام سے، اسلام کے نام سے، سرحدوں کی حفاظت کے نام سے اور نہ جانے کن کن ناموں کو استعمال کیا گیا اور عملی طور پر وہ لوگ برسر اقتدار رہے جو جمہوریت کش ہیں تو جناب والا! وہ کلچر develop کہاں ہوگا جب ان اداروں نے یعنی سوال اینڈ ملٹری بیوروکریسی نے اداروں کو develop کرنے ہی نہیں دیا، بننے ہی نہیں دیا اس کی Formation ہی نہیں ہوئی، تو وہ culture کیسے develop ہوگی۔ جناب والا! میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے معزز صدر بھی اس کارواں کے حصہ رہے ہیں جو مختلف اوقات ان تمام اداروں کا ساتھ دیتے رہے ہیں کہ جو anti people یا undemocratic forces کے تھے۔ جناب والا! کیا آج جو برسر اقتدار لوگ ہیں کیا ان سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اس کلچر کو develop کریں۔ میں سمجھتا ہوں جناب والا! کہ یہ ناممکن ہے اس لئے کہ یہ تو آج بھی بیٹھ کر ان لوگوں کی تعریفیں کرتے ہیں جو اس ملک میں جمہوریت کے قاتل ہیں۔

جناب والا! مجھے ایک شخص نے بتایا کہ .I.P.U کی میٹنگ میں ہمارے ایک معزز رکن نے یا سپیکر نے اس حد تک ایک ڈرافٹ کیا اور اس نے یہ کوشش کی کہ ۵۸ء کا مارشل لاء بڑا ٹھیک تھا۔ جناب والا! آپ مجھے بتائیں جن کے سربراہ اس قسم کے لوگ ہیں تو کیا وہ جمہوریت کے کلچر کو develop کر سکیں گے۔ یقیناً جناب والا! نہیں، تو اس کی ذمہ داری بھی ان forces پر آتی ہے اور یہ وہی لوگ ہیں جو کہہ رہے ہیں۔ اور یہ موجودہ set-up

باقیات ہے جناب والا! یہ کلچر کو کیسے develop کرتا ہے اس کے تو بس میں ہی نہیں ہے کہ یہ جمہوریت کے کلچر کو develop کر سکے۔ جمہوریت کے کلچر کو جناب والا! وہ develop کر سکتے ہیں جو جمہوریت کی جنگ لڑ چکے ہیں، جو مرے ہیں جنہوں نے جمہوریت کے لئے جیلیں کاٹی ہیں، اذیتیں برداشت کی ہیں۔ جن لوگوں کو پلیٹوں میں اقتدار ملا ہے اور اس کے پیچھے جو فوج لگی ہوئی ہے جو آج برسر اقتدار ہے وہ جمہوریت کو اور اس کے کلچر کو کیا سمجھیں۔

جناب والا! میں صدر کی تقریر کے دوسرے حصے کی طرف آتا ہوں جس میں کہتے ہیں کہ میں جانتا ہوں کہ ایک ایسے عوام کے سامنے جو جمہوریت کی قدروں، طور طریقوں اور تقاضوں کی تفاصیل میں جانے کی چنداں ضرورت نہیں جو خود جمہوریت کی پیداوار ہو۔ جناب والا! میں پھر اپنی اس بات کو دہراتا ہوں کہ یقیناً انہیں یہ درس دینا چاہیے کیونکہ یہاں خود ایسے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں جن کو جمہوریت کے درس کی ضرورت ہے۔ ہمیں ضرورت نہیں ہے جی۔ دوسری بات صدر صاحب فرماتے ہیں کہ جمہوریت بنیادی طور پر اکثریت کے فیصلہ کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا نام ہے وہ جو اپنی پسند اور خواہشوں کے مطابق نہ کھنے والے عوامی فیصلوں کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ دراصل اس عظیم قوت کی تحقیر اور تذلیل کے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بہت ہی اچھا جناب والا! میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کروں گا کہ کیا پیپلز پارٹی کی سابق اسمبلیاں اور حکومت اور دوسرے صوبوں میں جو اسمبلیاں تھیں کیا وہ اکثریت میں نہیں تھیں؟ یا بغیر اکثریت کے تھیں؟ تو پھر اسے برداشت کیوں نہیں کیا گیا؟ وہ اس لئے جناب والا! یعنی یہ کہنا اور فیصلہ دینا کہ ہمیں اس سے آگے نہیں بڑھنا چاہیئے تو پھر آج بھی وہی عمل کریں یعنی اس وقت جب آپ نے عمل کیا تھا تو جناب والا! کیا آپ کا وہ عمل صحیح تھا؟ یعنی اس رائے کے مطابق، یقیناً نہیں تھا۔

جناب والا! یہاں پر صدر صاحب نے اپنی تقریر کے ایک اور حصے میں کہا کہ یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ آئینی اداروں کو عدم استحکام سے دوچار کرنے کے لئے منفی رجحانات

میں اچانک اتنی شدت کیوں آ گئی ہے۔ مختلف نوعیت کے ایسے واقعات تواتر کے ساتھ کیوں پیش آ رہے ہیں جو عوام میں بے چینی پیدا کرنے کا سبب بن رہے ہیں اور کل ہمارے قائد ایوان نے بھی اس سلسلے میں فرمایا اور اس پورے پیراگراف میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی کہ ملک دشمنی کے زمرے میں آتی ہے کہ opposition جو کچھ کر رہی ہے وہ ملک دشمنی کی حرکت ہے اور فارن ملکوں سے relation کا مجھے ایسے ہی سمجھ آ رہا ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جنہیں جمہوریت سے دلچسپی نہیں ہے۔ یہ ہمارے قائد ایوان کی تقریر کا ایک حصہ تھا۔ جناب والا! وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے۔ یعنی جمہوریت کے لئے جو لوگ مرے ہیں کہ انہیں ہی سبق دے رہے ہیں کہ صاحب آپ غیر جمہوری ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ جناب والا! کہ ان کا یہ نقطہ نظر صحیح ہے۔ ممکن ہے وہ میرے نقطہ نظر سے اختلاف رکھتے ہوں اور دوسرے معزز ارکان بھی رکھتے ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اب یہ چیزیں بہت پرانی ہو چکی ہیں کہ جب بھی آپ اختلاف رکھیں آپ کو یہ کہا جاتا ہے کہ جی یہ ملک دشمن اور غدار ہیں اور جمہوری اداروں کے خلاف ہیں لیکن جناب والا! ایسا نہیں ہے دنیا میں ہر جگہ اختلاف رکھے جاتے ہیں اور جس طرح صدر صاحب نے خود فرمایا کہ اختلافات جمہوریت کو نکھارتے ہیں اس میں خوبصورتی کو مزید اجاگر کرتے ہیں۔ جس سوسائٹی میں اختلافات نہ ہوں وہ سوسائٹی جامد ہوتی ہے جناب والا! وہ آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ انہیں اس سے پرہیز کرنی چاہیئے کہ جب کوئی اپوزیشن کرے تو وہ کہیں کہ یہ ملک دشمن رویہ ہے یا دوسری طاقتوں نے انہیں کہا ہے کہ جی مخالفت کریں، اس چیز کو کم از کم اپنے ذہن سے نکالیں۔

جناب والا! اب میں آتا ہوں صدر صاحب کے اسی خطاب کے حصے پر جس میں انہوں نے پارلیمان کی کارکردگی کے بارے میں اتنے دعوے کیے ہیں کہ کبھی کبھی افسوس ہوتا ہے اس جیسے شخص کے حوالے سے اگر یہ بات ہو جناب والا! اکثر قوانین تو آرڈیننسز کے ذریعے آئے اور ہم نے یہ دیکھا کہ حتیٰ کہ نیشنل اسمبلی میں سٹینڈنگ

کمیٹیاں اب دو مہینے ہوئے بن گئی ہیں اور پھر آپ نے یہ دیکھا کہ وہ ہمیشہ سلیکٹ کمیٹیوں کے ذریعے سے اپنا کام چلاتے رہے اور کمال تو یہ ہے کہ جب Lapse ہو جاتے تھے۔ جس طریقے سے بارہویں ترمیم کو ہم نے پاس کیا میں سمجھتا ہوں جناب والا! کہ قانون سازی کی تاریخ میں اتنی تیزی سے پاس نہیں ہوا اور ہمارے سپیکر صاحب جناب والا! میں گیلری میں بیٹھا ہوا تھا اس تیزی سے جا رہے تھے کہ جس طرح سندھ کا کوئی ڈاکو ان کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ یعنی کہیں فل سٹاپ بھی نہیں بس سیدھا سیدھا جا رہے تھے کہ یہ جلدی جلدی پاس ہو تا کہ ایک تمغے کا اضافہ ہو۔ تو جناب والا! آپ کی قانون سازی کا حال تو یہ ہے میں آپ کو بتاتا ہوں کہ جہاں پر آپ انٹرسٹڈ ہیں فرض کر لیں پی ٹی سی کے آرڈیننس ہیں۔ چار مرتبہ آیا ہے۔ یعنی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چار مرتبہ آرڈیننس آتے ہیں۔ تین مہینے کے بعد وہ لیپس ہو جاتے ہیں۔ اور پھر یہ غیر آئینی بات بنتی ہے گو کہ witten نہیں لیکن اخلاقی طور پر کہ چار چار مرتبہ آرڈیننسوں کو انٹروڈیوس کیا جائے اور کب؟ جب اسمبلی کا سیشن بلانے سے کوئی پانچ دن پہلے یا اسمبلی کے سیشن کو پروروگ کرنے کے پانچ دن بعد۔ کمال یہ ہے کہ یہ پانچ دن کی پریشانی کس بات کی تھی کہ جہاں پر ہمیشہ سے یہی عمل ہوا ہے۔ کورم کو تو آپ نے خود ہی پوائنٹ آؤٹ کیا۔ کل بھی پرسوں بھی۔ یہ ہماری دلچسپیاں ہیں اس اسمبلی میں۔ دوسری طرف جناب والا! ہم نے یہ دیکھا کہ جہاں موجودہ حکومت کی دلچسپی نہ ہو ان آرڈیننسز کو چھوڑ دیا جاتا ہے تا کہ وہ لیپس ہو جائیں اور جب ان کی ضرورت دوبارہ موجودہ حکومت کو ہو پھر دوبارہ اسے انٹروڈیوس کریں۔ مثلاً جناب والا! فلور کراسنگ۔ جناب والا! پیپلز پارٹی کی حکومت پر سب سے بڑا الزام یہی تھا ہارس ٹریڈنگ کا۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس وقت جب یہ آرڈیننس نافذ کیا گیا تھا یہ صدر صاحب نے کیا۔ اب وہ کیوں لیپس ہوا اور آج دوبارہ کیوں انٹروڈیوس نہیں کرایا گیا۔ صرف اس لیے جناب والا کہ یہ لاء آف نیسیسٹی کے تحت شاید اس وقت کیا تھا اور لاء آف نیسیسٹی کے تحت آج اسے انٹروڈیوس نہیں کرایا گیا۔ ہاں جب پورے تمام ممبروں کو یا تو موجودہ حکومت

خرید لے۔یاان پر اتنا پریشر ڈالے کہ صاحب وہ پریشر کے سامنے جھک جائیں۔اس کے بعد جب اپنا کام complete کریں گے تو پھر فلور کراسنگ کے اس آرڈیننس کو لائیں گے یااسے اسمبلی میں لائیں گے تاکہ ان کے اپنے نہ باغی ہوں۔جناب والا! یہاں پر کون سے آپ نے پارلیمانی کارنامے دکھائے۔ یہاں پر آپ کہتے ہیں کہ ۴۷، ۵۷ قانون سامنے لائے۔ جناب اتنی جلدی میں تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ سو آرڈیننس کو پیش کر کے بل کی صورت میں آگے بڑھاسکتے ہیں۔اگر یہی آپ کی سپیڈ ہے کہ صرف بیس منٹ میں۔صرف آٹھویں ترمیم کے لیے جناب والا آپ خود گواہ ہیں کہ ۴۸ دن لگے اور وہ بھی اس دور میں جناب والا! آج کے socalled جمہوری دور میں کم از کم اسے پانچ دن تو دیتے۔دو دن تو دیتے۔ لیکن جناب والا! نہیں دیا گیا۔یہ تو آپ کی قانون سازی کا آسپیکٹ ہے۔

جناب والا!اب میں امن وامان کی صورت حال پر جو صدر صاحب کی تقریر کا ایک حصہ ہے۔کچھ دن پہلے یا کچھ مہینے پہلے جب اسمبلی توڑی گئی تو صدر صاحب نے امن وامان کا بہت شدومد سے حوالہ دیااور کہا کہ امن وامان کی صورت حال خراب ہو چکی ہے اور حکومت ناکام ہے۔اس لیے اسے توڑا گیااور اس کی جگہ کیر ٹیکر گورنمنٹ۔جناب والا!اپوزیشن کے معزز رکن جناب یحییٰ بختیار صاحب نے حوالہ دیا۔ monthly میں اسے quote کرتا ہوں کہ kidnapping جنوری ۹۱ءسے لے کر دسمبر تک تین ہزار نو ہوئی ہیں Murder جناب والا! بارہ سوچھ ہوئے ہیں ۹۱ کے اس پورے سال میں اور کتنے ہزار یعنی چار ہزار نہیں پانچ ہزار نہیں میں آپ کو جناب والا!دعویٰ سے کہتا ہوں کہ کراچی میں کوئی پانچواں گھر ایسا نہیں جس کی کوئی گاڑی چوری نہ کی گئی ہو۔ میرے خیال میں ہمارے بہت سے دوست موجود ہیں جواس کی تصدیق کریں گے،ہاں البتہ جناب والا!ایک چیز کم ہو گئی ہے۔ وہ شہروں میں مرڈر کیس۔یہ جناب والا! میں صرف ایک ڈویژن کی بات کر رہا ہوں حیدر آباد ڈویژن کی۔ایک چیز کم ہوئی ہے شہروں میں قتل وغارت گری تھوڑی سی کم ہوئی ہے۔ اس کے کم ہونے کی وجوہات جناب والا! آپ خوب سمجھتے ہیں کہ یہ کیوں کم ہوئی ہے۔

ظاہر ہے کہ شہروں میں جو کرنے والے تھے جب ان کی اپنی حکومت ہے تو وہ تھوڑا سا اس بدنامی سے ڈرتے ہیں۔ اور جن کے ذریعے سے کرائے جاتے ہیں شاید وہ ایجنسیاں اور انسٹی ٹیوشنز، وہ اب کہتے ہیں کہ اب تو اپنے بندے آگئے ہیں اس لیے ان کو ڈسٹرب مت کرو۔ جناب والا! یہ تو آپ کے امن وامان کی صورت حال ہے۔

جناب چیئرمین! سندھ میں اور اس قدر سنگین جرائم ہم دیکھ رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں جناب والا کہ لاء اینڈ آرڈر سچوئیشن نہ سندھ کی ٹھیک ہے بلکہ حتیٰ کہ پنجاب میں جناب والا! لاء اینڈ آرڈر سچوئیشن ٹھیک نہیں ہے۔ پنجاب میں بھی ڈکیتیاں ہو رہی ہیں۔ پنجاب میں بینکس ڈکیتیاں تو گواہ ہیں پریس میں بھی آچکا ہے۔ اور ساتھ ہمارے ہاں بلوچستان میں تو دن دہاڑے نیشنل بینک کو دس آدمیوں نے جا کر لوٹا اور وہ لوگ رنگے ہاتھوں پکڑے گئے۔ دن کے گیارہ بجے پولیس موجود ہے وہاں پر اور اس کے بعد نجانے ان کی گاڑی خراب ہو گئی اور وہ رک گئے اور ان کو جا کر پکڑ لیا۔ یہ صورت حال ہے ہمارے ہاں جناب والا! پھر آپ اغواء برائے تاوان اور نجانے کیا کیا یہ سب وہی چیزیں ہیں۔ اس ملک میں جناب والا! حال یہ ہے کہ سابق وزیر اعظم کے ٹیلی فون بھی بند ہوتے ہیں۔ حد ہے کہ وہ آئی جے آئی کے components بھی ہیں اور تین چار مہینے پہلے وہ وزیر اعظم تھے انہی کے یہ حالت ہے۔

جناب والا! پریس کی آزادی کا بہت دعویٰ کیا جاتا ہے اور صدر صاحب نے اپنی سپیچ میں پریس کے لیے جو کلمات ارشادات دیئے ہیں وہ ویسے بڑے خوبصورت ہیں لیکن میں پوچھ سکتا ہوں جناب والا کہ وہ پریس کے لوگ کہ جو لکھتے ہیں اور تنقید کرتے ہیں حکومتوں پر صرف انہی کے گھروں کو کیوں جلایا گیا۔ یا ان کو تشدد کا نشانہ کیوں بنایا گیا۔ جناب والا! صلاح الدین سے مجھے لاکھ اختلافات ہی سہی۔ صلاح الدین سے بہت اختلافات رکھتا ہوں۔ لیکن میں اسے ایک اچھے جرنلسٹ کی حیثیت سے جانتا ہوں۔ میں اسے ایک اچھے صحافی کی حیثیت سے جانتا ہوں جناب والا! اس کے گھر کو جلایا گیا پھر اس کے آنسوؤں کو

پوچھنے کے لیے جناب والا آپ نے ۵ لاکھ روپیہ اس کو دے دیا کہ جی آپ کا گھر ہم نے جلایا۔۔۔ اور مجھے خود صلاح الدین نے کہا جناب والا! کہ میرے گھر کو خریدنے والا کوئی نہیں ہے کیونکہ میں اور وہ پیپلز پارٹی کے دور میں، دونوں جیل میں رہے ہیں اکٹھے سال ڈیڑھ سال اس لیے ان سے نزدیگی ہے۔ انہوں نے کہا کہ صاحب میرے گھر کو کوئی خرید تا نہیں ہے میرے گھر کو کوئی خریدے تو میں اس کو بیچنے کے لیے تیار ہوں۔ پتہ نہیں اب تک وہ اس کو بیچ سکا کہ نہیں بیچ سکا۔

پھر جناب والا! شاہین صہبائی، کامران خان، ہود بھائی، شبیر بھٹو پھر نثار کھوڑو صاحب کا گھر اور اس قسم کے نہ جانے کتنے سیاسی کارکنوں کے خلاف political victimization ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ شاید کہیں بھی آپ کو نظر نہیں آتی پھر جناب والا! آپ چلیئے اسلام پورہ لاہور کے ۱۳ آدمیوں کا قتل جو وزیراعظم صاحب نے جس طرح cooperative scandal کہا کہ جی ۱۵ دن کے اندر اندر عدالتی کمیشن فیصلہ دے گا بالکل انہوں نے وہاں جا کر ۷۲ گھنٹوں کا نوٹس دیا کہ جی ۷۲ گھنٹوں میں اس کا فیصلہ ہو گا۔ کہاں گیا جناب وہ اعلان کتنے لوگ پکڑے گئے کتنے لوگوں کو سزا ہوئی اسی طرح جناب والا! شیخوپورہ میں بھی یہی واردات ہوئی اور لوگ غائب ہیں یعنی جناب والا! یہ حد ہے کہ اگر کسی صوبے میں کوئی مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے تو یہ کہا جاتا ہے امن وامان کے حوالے سے کہ یہ تو صوبائی مسئلہ ہے اور صوبائی مسئلہ تو صوبہ ہی جانے۔ جناب والا! ان چاروں صوبوں میں آئی جے آئی کی حکومت ہے وہ کوئی الگ چیز نہیں ہیں کوئی دوسری پارٹیاں برسر اقتدار نہیں ہیں آئی جے آئی کی حکومت ہے جن کا صدر یہاں بیٹھا ہوا ہے جن کی سیکرٹری جنرل یہاں بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں جو ایک پارٹی ہے جو صوبوں کو مینڈیٹ دیتی ہے، کہتے ہیں جی یہ تو صوبائی مسئلہ ہے یعنی کمال یہ ہے کہ ۱۸، ۲۰، ۲۰ لاکھ Emigration سے لوگ جناب والا cross کرتے ہیں ۱۵ لاکھ بہاری cross ہوئے ہیں Indians illegal imigrants آج وہ غائب ہیں جناب والا! کہاں گئے وہ یہ جو ہماری Interior Ministry ہے وہ کیا سوئی ہوئی

ہے جناب والا! حد تو یہ ہے کہ کھوٹہ میں آپ کے اس sensitive علاقے میں جہاں پر آپ کا اپنا کوئی بندہ نہیں جاسکتا یہاں تک کہ میرے خیال میں آپ بھی نہیں جاسکتے لیکن ایک جرمن کو پکڑا گیا اس کو کچھ دن کھا گیا پھر چھوڑا گیا پھر بریگیڈیئر انعام الحق کے عوض چونکہ بریگیڈیئر انعام الحق جرمنی میں پکڑے گئے اور جرمنی نے اسے امریکہ کے حوالے کر دیا تو پھر دوبارہ اس کو پکڑا پھر دوبارہ اس کو چھوڑ دیا۔ جناب والا! ہم اپنے ایک بندے کو چھڑا نہیں سکے اس کے عوض یہ تو ہمارا طریق کار ہے اس آدمی کو چھوڑ دیا گیا کس کے حکم سے چھوڑ دیا گیا۔ ادھر ہزاروں لوگوں کو کبھی 'خاد' کا ایجنٹ کسی کو 'را' کا ایجنٹ کسی کو پتہ نہیں کس کا ایجنٹ اور یہ ایجنٹ کہہ کہہ کر کے جناب والا! ہم نے یہ دیکھا کہ آج تک کوئی 'را' کا ایجنٹ نہیں پکڑا گیا کوئی 'خاد' کا ایجنٹ نہیں پکڑا گیا لیکن یہ صرف زبانی جمع خرچ کے لیے یا اخباروں کے حوالے تک ہم نے دیکھا کہ یہ اس طرح کہتے ہیں آج تک کوئی پکڑا نہیں گیا۔

جناب والا! جی ایم سید کے خلاف رد عمل کے طور پر ہمارے وزیر داخلہ نے کہا تھا کہ بوڑھا ہو چکا ہے وہ تو بولتا رہتا ہے اس کا نوٹس نہیں لینا چاہیئے لیکن میرے خیال میں آدھ گھنٹے کے بعد وہ گرفتار ہو گیا اور مجھے کم از کم یقین ہے کہ وہ وزارت داخلہ کے حکم سے یعنی وزیر داخلہ کے حکم سے گرفتار نہیں ہوا۔ تو جناب والا! اگر ہمارے وزیر صاحبان بیورو کریٹس کے سامنے اتنے لاچار وبے جان ہیں تو چھوڑ دیں یہ منسٹریاں انہی کو چلانے دیں جو ۴۵ء سے چلا رہے ہیں یہ تو جناب آپ کے امن وامان کا مسئلہ ہے۔

پھر جناب والا! میں human rights پر آتا ہوں۔ جناب والا! میں سمجھتا ہوں کہ human rights کے متعلق تو ملک کے حکمران بے چارے جانتے ہی نہیں کہ human rights کیا ہیں۔ لوگوں کو جیلوں میں ڈال کر تشدد کرنا نہیں مار دینا تھانوں میں ان کو اذیتیں دینا اور ان کے حقوق پامال کرنا جناب والا اس اسمبلی میں کتنی عورتیں بیٹھی ہوئی ہیں وہ بھی ایک، نہ جانے کیسے، یہاں پر پہنچ گئی ہے human rights کو تو جس طریقے سے violate کیا جاتا ہے اس ملک میں یہاں تو ملک کے حکمران human rights کو جانتے نہیں ہیں یہ

State Department کی رپورٹ ہے particularly سندھ کے حوالے سے، اب آپ مجھے بتائیں جناب والا کہ دنیا میں ہر جگہ آپ کے خلاف اگر یہ protest ہو کہ جی پاکستان میں human rights کوئی وجود ہی نہیں رکھتا تو پھر جناب والا آپ کی باتوں کو آپ کے stand کو آپ کے نقطۂ نظر کو جو foreign میں دیں گے لوگ سنیں گے کہاں سے یہ State Department Report release ہوئی "U.S. shows concern over human rights violation in Pakistan particularly in Sindh. میرے خیال میں جناب والا! آپ نے بھی اس کو پڑھا ہے ڈان کے 3rd February کے issue میں ہے۔

جناب والا! اب میں economical aspect کی طرف آتا ہوں صدر صاحب فرماتے ہیں کہ عالمی منڈی میں کساد بازاری کے باوجود برآمدات میں ۲۰ فیصد اضافہ ہوا پھر دوسری بات کہ جی پاکستان سے سرمائے کی بیرون ملک منتقلی کے روایتی رجحان کے برعکس باہر سے سرمایہ پاکستان منتقل ہونے لگا ہے صرف ۶ ماہ کے عرصے میں تقریباً سات سو ملین ڈالر کی منتقلی عمل میں آچکی ہے جناب والا! یہاں پر ۶ پوائنٹس ہیں اکانومی کے بارے میں جو انہوں نے دیئے ہوئے ہیں میں بفرض محال ان سے agree بھی کرلوں کہ یہ درست ہیں گوکہ حقائق ان میں بہت کم ہیں لیکن اگر میں یہ فرض بھی کرلوں کہ یہ حقائق ہیں تو جناب والا! اس وقت آپ کی برآمدات کی جو فیصد بڑھی ہے اس وقت تو موجودہ situtation میں declared جو ہے وہ ۱۲ فیصد ہے ۲۰ سے گھٹ کر جو صدر کی تقریر میں ہے ۲۰ سے گھٹ کر وہ ۱۲ پر آگئی ہے یعنی ۶ ماہ دسمبر ۱۹۹۰ء سے جون ۱۹۹۱ء تک یہ صرف تھوڑے عرصے کا ہے جبکہ آگے وہ ۱۲ فیصد پر پہنچ چکی ہے تو پھر جناب والا! آپ نے یہ دعویٰ کیا کہ جی پاکستان سے بیرون ملک منتقلی کے روایتی رجحان کے برعکس باہر سے سرمایہ لا جارہا ہے جناب والا! باہر سے سرمایہ اس لیے نہیں آیا کہ نئی industries develop ہوں آپ مجھے باہر سے کوئی بھی ایسا سرمایہ دکھادیں کہ جو نئی industries develop کی جارہی ہو اس رقم سے، بلکہ

پرانی industries کو expand کرنے کے لیے یہ پیسے لوگ لائے ہیں نئی development کوئی نہیں ہوئی پھر دوسری بات یہ ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ اتنے بلین جو ہے اس کے letter of intent لوگوں نے کھولے ہیں اگر ۵۰ یا ایک لاکھ آدمی یہ کہتے ہیں کہ جی پاکستان میں اتنے اربوں روپیہ ہم invest کریں گے آپ اس کو اپنے کھاتے میں ڈال دیں کہ جی اتنا سرمایہ پہنچ گیا ہے تو جناب والا! وہ پہنچا کہاں سے ہے وہ تو ان کی خواہش ہے یعنی کمال تو یہ ہے کہ جب یہاں صنعت کاروں کا اجلاس ہو رہا تھا جو آپ نے بلایا تھا تو اس اجلاس کے دوران آپ کی بجلی چلی گئی تو انہوں نے کہا کہ جناب جس ملک میں بجلی کا یہ حال ہے تو وہاں پر ہم سرمایہ کیا خاک لگائیں گے۔ پھر جناب والا! آپ دیکھیں کہ ٹیکس کی وصولی کے بارے میں بجٹ کے اندازے بالکل غلط ثابت ہوئے اس وقت جناب والا صرف ۴۰ فیصد ٹیکس ہم وصول کر چکے ہیں اکتالیس اعشاریہ کچھ، جبکہ اس سے پہلے ہم ۵۵ فیصد یا ۵۶ فیصد وصول کر چکے ہیں اس وقت تو ۴۱ فیصد ہے اور پھر جناب والا کمال یہ ہے کہ حکومت کا دعویٰ تھا کہ ۹۲۔۱۹۹۱ء میں ۱۴ بلین قرضے لینے ہیں جناب والا اس ۶ مہینے میں ۶۲ بلین کے قرضے یہ بینکوں سے لے چکے ہیں اور قرضے لینے کے بعد ہمارے وزیر خزانہ جناب سرتاج عزیز صاحب جو شاید جانشین بننے جارہے ہیں یہ ان کا بیان ہے کہ جی خزانہ خالی ہے قرضے پر چل رہے ہیں اور نہ جانے آگے کیا کیا ہے۔ یہ ہمارے فنانس منسٹر کی تقریر ہے۔ یہ ان کی پری بجٹ تقریر ہے اس میں صدر صاحب کے بھی ارشادات ہیں۔ ۶۲ بلین روپے جو ہے اس کے قرضے لے چکے ہیں اب بنکوں کے پاس پیسہ نہیں ہے اور وہ آپ کے لیے ۱۵ فیصد پر ہیں اب آپ مجھے بتائیں کہ یہ جو آپ نے نج کاری کی ہے اور اچھی انڈسٹریز کو جو آپ نے اپنے چہیتوں کو بانٹ دیئے ہیں۔ باقی انڈسٹریز نہیں چلیں گی اس لیے کہ بنکوں میں تو پیسہ ہے نہیں۔ نہ نج کاری کا عمل آگے بڑھا ہے نہ دوسرے انڈسٹریز ڈویلپ ہو سکے ہیں کیونکہ مشینری باہر سے تو آسکتی ہے لیکن لوکل کرنسی یا لوکل انوسٹمنٹ تو ہونی چاہیئے لوکل انوسٹمینٹ تو وہ بنک سے لیں گے لیکن بنک کے پاس تو پیسہ نہیں ہے تو کہاں سے پیسہ

آئے گا تو یہ بھی رکی ہوئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے مزدوروں کے ساتھ کیا کیا۔ ان مزدوروں کا کیا قصور تھا کیونکہ بہت سے ایسے کارخانے تھے جو چالیس ۴۰ سال سے چل رہے ہیں جو دوسرے تھے پھر ہم نے نیشنلائز کر لیے پھر بعد میں ڈی نیشنلائز ہو گیا جناب والا گولڈن ہینڈ شیک بھی صحیح طور پر نہیں ہو سکا ان کو کچھ نہیں ملا انہوں نے تو کوئی قصور نہیں کیا ہوا تھا جناب والا یہ آپ کی معیشت کا حال ہے۔ جناب والا! پھر صدر صاحب اپنی تقریر میں فرماتے ہیں کہ سوشل سیکٹر میں تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ واہ اب بھی کیا بولے کہ وقت کی گھڑیوں نے وہ دور بھی دیکھا ہے

کہ لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

جناب والا! ظلم کی حد یہ ہے یہ بھی کہتے ہیں کہ سوشل سیکٹر میں تو کچھ نہیں ہوا جناب والا! آپ دیکھیں میں آپ کو فگرز کوٹ کرتا ہوں کہ ہمارے صدر صاحب ۷۵ء سے لے کر ۷۹۔۷۸ء تک اس ملک کے خزانے کے مالک رہے۔ آپ کو بھی شاید اس سے اختلاف نہیں ہے کیونکہ رہے ہیں۔ جناب والا! ہمیں ٹوٹل اماؤنٹ جو گرانٹ کی صورت میں ملا ہے باقی آئی ایم ایف کے ذریعے اور پھر مزدوروں نے ۳۰ بلین کے حساب سے پیسے بھیجے ہیں۔ جناب والا! ہر سال ٹوٹل ۵۰ بلین ڈالر پہنچتا تھا جب ان کے ہاتھ میں تھا وہ ڈویلپ کر سکتے تھے وہ کیوں نہیں کیا۔ آپ مجھے بتائیں کہ ۷۵ء سے ۸۵ء تک جب یہ وزیر رہے تو صدر صاحب کو تو یہ خود کرنا چاہیے تھا پھر کمال انہوں نے کیا جب وہ آئے تو ۶ بلین ڈالر ہمارے اوپر قرضہ تھا۔ ۳۲ سال میں چھ بلین ڈالر اور جب چلے گئے تو چھ سال میں ۱۲ بلین ڈالر قرضہ ہمارے گلے کے اوپر لٹکا رہا۔ چھ سال میں ۶ بلین ڈالر قرضہ ہوا اور ۳۰ سال میں ۶ بلین ڈالر قرضہ ہوا یعنی فرق آپ دیکھ لیں ہم نے قرض لینے میں اتنی تیزی سے ترقی کی کہ ہم نے ۳۰ سال کے فاصلے کو چھ سال میں پورا کیا یعنی ہم اتنے تیز گئے جناب والا! یہ ہمارا اکنامک پہلو ہے جس کا حال آپ کے سامنے ہے۔

جناب والا! اب میں خارجہ پالیسی کی طرف آتا ہوں۔ خارجہ پالیسی اس ملک کی آج سے نہیں بلکہ جب سے ہمارا ملک بنا ہے اور جس دن سے قائد اعظم محمد علی جناح فوت ہوئے ہیں۔ اور لیاقت علی خان کے زمانے سے اس شریف شخص نے جس طرح فارن پالیسی کی دھجیاں اڑائیں ماشاءاللہ اس کا تو جواب ہی نہیں یعنی آج ہم جو بھگت رہے ہیں میں نہیں کہتا انہوں نے کیوں کیا۔ ممکن ہے اس وقت اس قسم کا سچوئیشن ہو جناب والا اس دن سے لے کر آج تک ہم Imperialism یا آج نیو ورلڈ آرڈر کے تحت سب کچھ ہیں۔ ہمارا قبلہ اول شروع سے لے کر آج تک امریکہ رہا ہے ہم سوتے وقت بھی اس کے لیے دعا مانگتے تھے گھومتے تھے تو بھی امریکہ کے لیے دعا مانگتے تھے پھر فریاد بھی کرتے تھے کہ ہمیں کچھ دو خدا کے نام پر ہماری جھولی ہمیشہ ان کے آگے رہی ہے اس وقت بھی ہمارا حال یہ ہے۔ انہوں نے ہمیں طلاق تو دے دیا اور ہم نے بھی کہہ دیا کہ ہو گیا لیکن پھر دوبارہ حلالہ کی کوشش ہو رہی ہے کہ کہیں نہ کہیں کی نہ کسی طریقے سے پھر ہمارا حلالہ ہو جائے۔

(مداخلت)

جناب منظور احمد گچکی: جناب والا! شروع سے ہمارا یہ انجام ہے آج نیو ورلڈ آرڈر میں ہمارا مقام کیا ہے۔ حال تو یہ ہے۔

Akhunzada Behrawar Saeed : But the Prime Minister is a male.

جناب چیئرمین : بہرہ ور سعید صاحب کیا ضرورت ہے۔

جناب منظور احمد گچکی : اب یہ مجھے چھیڑتے ہیں۔

جناب چیئرمین : وہ جان کر چھیڑتے ہیں تاکہ آپ react کریں۔

جناب منظور احمد گچکی : جناب والا! مجھے لگتا ہے کہ صبح اس نے تھوڑا سا زہر کا پیالہ پیا ہے۔ تھوڑا اگل رہے ہیں۔

جناب چیئرمین : چلیں تقریر جاری کریں۔ تقریر جاری رکھیں۔ پلیز پلیز please, please.

جناب منظور احمد گچکی: جناب والا! ایک موقع پر پورے زہر کے پیالے پیتے ہیں اور یہاں آ کر پھر admit کرتے ہیں۔ اس مرتبہ اس نے تھوڑا پیا ہے۔ میں اس کا دوست ہوں مجھے اس نے تھوڑا بخشا ہے۔

جناب چیئرمین : تقریر جاری رکھیں۔ No cross talk please.

جناب منظور احمد گچکی: آپ ان کو سمجھائیں۔

جناب چیئرمین : وہ تو جان کر آپ کو چھیڑتے ہیں۔ آپ بھی پھر ادھر ادھر ہو جاتے ہیں۔

جناب منظور احمد گچکی: مجھے بھی پھر تھوڑا وہ مل جاتا ہے۔ جناب والا! کمال تو یہ ہے کہ فارن منسٹری اب تو سنبھالے نہیں سنبھلتی۔ شہریار صاحب سٹیٹ منٹ دیتے ہیں جی ہم تو بنا چکے ہیں سو لنگی صاحب جواب دیتے ہیں کہ ہم تو مقابلے کے لیے تیار ہیں ہم ہر چیز کر چکے ہیں۔ دوسرے دن شہریار صاحب کہتے ہیں کہ وہ تو ہم نے نہیں کہا تھا غلطی ہو گئی تھی پھر سو لنگی صاحب کہتے ہیں کہ ہم نے بھی نہیں کہا تھا ہم نے بھی غلطی کی تھی جناب والا یہ کیا ہے؟ آپ دوسرا جو سٹیٹ منٹ دیتے ہیں وہ اس لیے دیتے ہیں کہ آپ اس کنفیوزڈ سچوئیشن میں جانا چاہتے ہیں شروع میں تو ملکوں کی اکثریت کا یہ خیال تھا کہ پاکستان کچھ نہیں بنا چکا ہے کچھ کا انداز تھا کہ بنایا ہے۔ پھر امریکن نے، ایک سرٹیفکیٹ ہوتا ہے نہ جانے کیا ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم دیتے ہیں نہیں دیتے ہیں ہم ان کو ایڈ نہیں دیتے ہیں پریسلر امنڈمنٹ اور فلاں اس حوالے سے پتہ چلا کہ انہوں نے بنایا ہے لیکن ایک کنفیوژن تو تھا کہ بنایا ہے کہ نہیں بنایا ہے ہم نے سٹیٹ منٹ دے کر اس کنفیوژن کو بالکل ہی ختم کر دیا اور کلیئر کر دیا کہ ہمارے پاس ہے پھر ہم نے سمجھا کہ ہم نے غلطی کی ابھی تھوڑا سا رشتہ بحال کرنا ہے۔ اب ناراض ہو جائیں گے بہرہ ور سعید صاحب۔ تو دوبارہ سٹیٹ منٹ دے دیں گے کہ ہم نے تو نہیں کہا تھا ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ کیا آپ اس طریقے سے پھر اس کنفیوژن کو ختم کریں گے۔ خواہ آپ کچھ بھی کریں New World Order میں آپ کا

مقام امریکہ کے نزدیک وہ نہیں ہے کہ جو آپ کا کچھ دن پہلے تھا، جناب والا! امریکہ نے ۴۵ سال تک اس زمین کو اور اس کے حکمرانوں کو استعمال کیا۔ دنیا کی ان تمام جمہوری قوتوں کے خلاف جو امریکہ کے نقطہ نظر کے خلاف تھیں، یعنی آپ سویت یونین کو تو چھوڑیں، ایسٹرن بلاک کو تو چھوڑیں، Third Word میں وہ قومیں جو جمہوریت کی جنگ لڑ رہی تھی، وہ قومیں جو آزادی کی جنگ لڑ رہی تھیں امریکہ ان کے سامنے کھڑا تھا اور ہم ان کے پیچھے ''چھوٹو'' تھے۔ ۴۵ سال تک۔ اور اب جب ہماری ضرورت ختم ہو گئی تو انہوں نے کہہ دیا کہ جی، آپ کی ضرورت نہیں ہے، اب تو New World Order کے تحت دیکھا جائے گا۔ اب تو آپ کی کیا ضرورت ہے، ہمارے لیے انڈیا زیادہ acceptable ہے۔

جناب والا! اسی طرح آپ جانتے ہیں کہ Pressler Amendment ان پر تو لاگو نہیں ہوئی، یہ آپ پر لاگو ہوئی ہے۔ پھر آپ کو افغانستان کے مسئلہ میں گھسیٹا گیا اس میں آپ کو اتنا انوالو کیا گیا کہ جس کی کوئی حد نہیں ہے، آج اس ملک میں ہیروئن کے کارخانے چل رہے ہیں۔ آپ آج ہمارے علاقے میں کسی جگہ بھی جائیں، فرنٹیئر میں جائیں، پنجاب میں جائیں، سندھ میں جائیں تو وہاں آپ کو latest weapons ملیں گے۔ ڈکیتیوں کا جو عام ہونا ہے یہ اس کا after effect ہے جو ہو رہا ہے۔

پھر کل جو واقعہ کشمیر میں ہوا ہے اس کے متعلق عرض کرتا ہوں کہ جناب والا! ہم ہر چیز کو negatively اتنے pitch پر لے جاتے ہیں، یہ اس لئے کہ موجودہ حکمرانوں کے ساتھ کچھ ایسی جماعتیں بھی موجود ہیں کہ ان کو اس pitch پر لے جانا چاہتی ہیں اور پھر اس کے پیچھے ہمارے حکمران جو ہیں یہ دوڑتے ہیں اور وہ آگے دوڑتے ہیں۔ اور وہ اتنا defensive ہو جاتے ہیں اور اتنا trap میں آجاتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ وہی کرتے ہیں۔ کل وہاں سترہ آدمی مرے ہیں، اگر اس سے زیادہ مرتے تو پھر۔ خدانخواستہ وہ بارڈر کراس کر جاتے اور اس کے نتیجہ میں ایک جنگ چھڑ جاتی، تو پھر اس کی ذمہ داری کس پر تھی۔ تو پھر آپ کے پاس کیا جسٹیفیکیشن تھی۔ آپ بے شک کشمیر کے مسئلہ کو آگے لے

جائیں لیکن اس کا بھی ایک طریقہ ہوتا ہے، یہ pattern جو کچھ جماعتوں نے لیا کہ ہمیں تو وہاں افغانستان میں حلوے مانڈے ملے ہیں، تو اس لئے ہم یہ دھندہ یہاں بھی شروع کرتے ہیں، یہ تو کل کسی اور جگہ شروع کر دیں گے تو جناب والا! آپ کب تک ان کے پیچھے لگے رہیں گے، اس ملک کے حکمران کب تک ان کے پیچھے رہیں گے۔ یعنی مجھے پاکستان کی فارن پالیسی کا تو مجھے قبلہ ہی نظر نہیں آتا ہے۔ جناب والا! یہ کہتے ہیں کہ ہم سنٹرل ایشین Republics کے ساتھ relation بڑھانا چاہتے ہیں، جناب یہ کیسے بڑھائیں گے۔ درمیان میں افغانستان پڑا ہوا ہے۔ جب تک گلبدین حکمت یار assurance نہ دے اس وقت تک تو آپ پریشان ہیں۔ اب صورت حال یہ ہے کہ درمیان میں افغانستان پڑا ہوا ہے اگر اس کے ساتھ آپ کے relation نہیں بڑھتے تو آپ یقین مانیئے کہ اس وقت تک آپ کے Central Asian Republic کے ساتھ تعلقات نہیں بڑھ سکتے۔ اس وقت سب سے زیادہ best relation جو افغانستان کے ساتھ بنے ہوئے ہیں، یہ Central Asian Republics ہیں، ان کے ساتھ بنے ہوئے ہیں۔ آپ تو کہاں...... آپ سے تو انڈیا پہلے پہنچ گیا...... یہ آپ کی فارن پالیسی ہے جو آپ چلا رہے ہیں۔ آزاد ریاست کو تسلیم کرنے کا فیصلہ جناب والا! آپ نے مارچ ۱۹۹۱ء کو یہ فیصلہ کرنا تھا اور آپ نے فیصلہ جنوری ۱۹۹۲ء میں کیا۔ آپ نے اتنی delay کیوں کی۔ جناب! میں عرض کرتا ہوں کہ انہوں نے تو آپ کو چھوڑ دیا، ایک دو تین کر دیا، انہوں نے تو کہا کہ آپ کی چھٹی ہے۔ اب آپ کو کس کا انتظار ہے۔ اب آپ کو خود پازیٹو فارن پالیسی چلانی چاہیے۔ میں حیران ہوں کہ اب کون سی مجبوری ہے۔

جناب والا! وہاں انڈیا پہلے پہنچ گیا، اس نے relation وہاں پر بڑھایا اور ہم وہاں بعد میں گئے...... ہمارا وزن بھی کافی باہر ہی گیا کیونکہ ہم پہنچ نہیں سکے......

پھر دوسری بات افغانستان کے ساتھ relation کی ہے۔ اب افغانستان کے کس کے ساتھ relation ہیں۔ آپ تو کہتے ہیں جی کہ میں نہ مانوں...... میں نے مانوں...... اس

سے تو ایسے لگتا ہے کہ کیا اس کو آپ اپنا مفتوحہ علاقہ سمجھتے ہیں۔ میں تو ان کی باتوں سے یہی سمجھتا ہوں۔ جناب والا! ہمارے اس معزز ہاؤس کے رکن افغانستان کی حدود میں جاتے ہیں اور دندناتے پھرتے ہیں۔ وہاں پر تقریریں کرتے ہیں............ اس طرح سے آپ کون سی انٹر نیشنل Boundry کی respect کر رہے ہیں۔ اگر جانا تھا تو وہ جیالے جاتے جن کو ہم نے یہاں پر پالا ہوا ہے...... وہ وہاں جائیں، ٹھیک ہے ان کا حق بنتا ہے۔ ہم نے ان کو پناہ دی، اور وہ وہاں جائیں اور اپنا کام کریں۔ ہم خود وہاں کیوں جاتے ہیں۔ یعنی یہ تو ہمارا حال ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ جی میں نہ مانوں جب تک اس ملک کے حکمران انجینئر صاحب نہیں ہوں گے اس وقت تک تو ہم کسی کو نہیں مانیں گے...... بھائی! کوئی فارمولا جو آپ نے طے کیا ہے اس پر تو چلیں...... اب خود جو فارمولا accept کرتے ہیں اس پر بھی نہیں چلتے ہیں تو پھر جائیے، کسی کو بٹھائیے۔ ایسے لگتا ہے کہ آپ نے وہاں کے پورے عوام کو خریدا ہوا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اس ملک کے حکمران آج بھی ان کو سپورٹ کرنا چھوڑ دیں...... یہ میں نے پہلے بھی دعویٰ کیا ہے اور اب بھی دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس وقت بھی اس پار کنٹرول جو ہے وہ ہمارے فوجیوں کا ہے۔ وہاں کرنل اور جرنل بیٹھے ہوئے ہیں، رحیم مندوخیل صاحب اس کے گواہ ہیں۔ وہاں کوئی کراس نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کو کرنل نہیں کہے وہ سائیڈ سے نکل جاتے ہیں کہ جی کرنل صاحب کا آرڈر ہے۔ آپ ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیں تو میں دیکھتا ہوں کہ کس طریقے سے وہاں فتح کریں گے...... کیا آپ نے مذاق بنایا ہوا ہے...... آپ الجزائر میں پہنچے ہوئے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم دنیا کو تباہ کر دیں گے۔ افغانستان میں آپ پہنچے ہوئے ہیں...... لیکن خود نہیں جاتے، آپ بھی جائیے۔ کشمیر کے بارڈر پر ۱۷ آدمی تو مرے ہیں، اگر وہاں جانا تھا تو آپ بھی جاتے، مگر آپ تو وہاں پر نہیں گئے صرف آپ لوگوں کو مروانا چاہتے ہیں اور پھر شہیدوں کے نام پر اپنی سیاست چلانا چاہتے ہیں۔ جناب والا! ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنی فارن پالیسی کو positively لیں اور پازیٹو ہی اپنی فارن پالیسی کو چلانا

چاہیے۔ اور وہ پیٹرن ہمیں چھوڑ دینا چاہیے۔ اپنے اندرونی politics کو بھی positive انداز میں چلائیں اور باہر کی politics کو بھی positive انداز میں چلائیں۔

جناب والا! یہاں میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ جمہوریت کے کچھ تقاضے ہیں، یہاں مزدوروں کے حقوق ہیں، یہاں عورتوں کے حقوق ہیں، یہاں اس ملک کے عوام کے حقوق ہیں، اس ملک کی قومیتوں کے حقوق ہیں۔ ہمارے قائد ایوان صاحب نے کہا کہ پہلے تو provinces میں contradiction تھا لیکن اب provinces میں centre میں contradiction نہیں ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ جناب والا! آپ نے جو کٹھ پتلیاں بٹھائی ہوئی ہیں ان کے ہوتے ہوئے کیا contradiction ہوگا۔ میں پوچھ سکتا ہوں کہ سندھ میں جن کے پاس دو آدمی نہیں ہیں وہ چیف منسٹر ہے، وہ آپ سے کیا اختلاف کرے گا۔ میں پوچھ سکتا ہوں کہ بلوچستان میں لاکھوں روپے کرپشن میں کھائے جا رہے ہیں، بندر بانٹ ہو رہی ہے، وہ ان چیزوں کے ہوتے ہوئے centre contradiction کے بارے میں کیا بولیں گے۔ این ایف سی ایوارڈ میں اس حد تک گئے کہ ہماری بلوچستان کی گورنمنٹ نے وہ جو گیس کا development surcharge تھا، اور arear تھے، اس کو بھی معاف کر دیا اور اس کو بھی accept کر لیا کہ بلوچستان کی گیس کا per cubic foot گیارہ روپے ہو گا۔ پیر کوہ کا پانچ روپے ہے، سوئی کا کوئی پانچ روپیہ اور باقی جگہوں کا بائیس روپیہ ہے یعنی بدین کا بائیس روپیہ...... میں نام اس لیے نہیں لینا چاہتا...... کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ ٹھیک دیئے ہیں لیکن جناب والا! پیر کوہ کے لئے آپ نے پانچ روپے فی کیوبک فٹ رکھے ہیں اور سوئی کے لئے گیارہ روپے رکھے ہیں اور بدین کے بائیس روپے رکھے ہیں...... جناب والا آپ فرنٹیئر کو الیکٹرسی کے arears دیتے ہیں، پچھلا حساب دیتے ہیں لیکن بلوچستان کو ڈویلپمنٹ سرچارج نہیں دیتے ہیں پرانے میں۔ کمال یہ ہے کہ جو ہمارا کلیم بنتا ہے it is three hundred sixty billion rupees جناب arear ہمارا بنتا ہے لیکن معاف کر دیا گیا ہمارے،...... اب میں کیا کہوں contradiction کیا خاک ہوں گے جو

آپ کے بل بوتے پر بیٹھے ہوئے وہ تو اختلاف کریں گے ہی نہیں...... آپ نے انہیں چھوٹ دیا ہوا ہے کہ جتنے بھتے کھاؤ جتنی رشوتیں کھاؤ جتنی نوکریاں بیچ دو، میں حلفیہ کہتا ہوں جناب والا! کہ بلوچستان میں کم از کم مجھے گورنمنٹ نظر نہیں آتی، ہے کہاں ہے گورنمنٹ؟ کتنے چیف منسٹر ہیں ہر منسٹر آزاد ہے چاہے وہ کچھ کرے، کرے۔ کوئی گورنمنٹ نہیں ہے وہاں پر، آپ سے اختلاف کیا ہو گا جناب والا! آپ بھی کوآپریٹو سکینڈل میں ملوث ہیں۔ آپ کا بھی یہاں کام دھندہ چل رہا ہے۔ موٹروے کے حوالے سے آپ کو بھی بھتے وتے مل رہے ہیں۔ اور ان بے چاروں کے پاس بھی کافی عرصے سے پیسے وغیرہ نہیں تھے۔ اب مل رہے ہیں۔ آپ سے وہ contradict نہیں کر سکتے جناب والا! میں سمجھتا ہوں کہ ہم کو realistic ہونا ہے اور یہاں ہمیں مثبت سیاست کرنا چاہیے فارن پالیسی کو بھی ہمیں اسی انداز میں چلانا چاہیے اور ملکی دفاع کو بھی ہمیں اسی انداز میں چلانا چاہیے جس طرح ایک مہذب معاشرہ اور مذہب ملک چلاتا ہے۔ ان گزارشات کے ساتھ میں آپ کا مشکور ہوں۔ شکریہ۔

جناب چیئرمین: شکریہ۔ راجہ ظفرالحق صاحب۔

راجہ محمد ظفرالحق: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جناب چیئرمین! آج دوسرے دن بھی صدر مملکت کے ۱۹ دسمبر کے خطاب کے سلسلے میں ایوان میں بحث ہو رہی ہے اس بحث کے دوران صدر کے خطاب کے مندرجات پر بھی بحث ہوئی اور اس واقعہ پر بھی جو اپوزیشن نے طرز عمل قومی اسمبلی میں اختیار کیا تھا حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کے لئے بھی اپوزیشن کا طرز عمل جس میں سابق وزیراعظم بھی شامل تھیں سابق وزراء بھی شامل تھے پارٹی کے مقتدر لوگ بھی شامل تھے وہ نہ صرف حیران کن تھا بلکہ افسوسناک بھی تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے لوگوں کو صدر مملکت کی ذات سے اختلاف ہو سکتا ہے سیاسی اختلاف ہو سکتا ہے لیکن ہر ایک چیز کا ایک طریقہ کار ہے اس کی اپنی روایات ہیں یہاں حوالہ دیا گیا کہ برطانیہ میں ملکہ کا خطاب ہوتا ہے ہاؤس آف لارڈز میں ہاؤس آف کامن کے ارکان بھی جاتے ہیں اور وہ کھڑے ہو کر سنتے ہیں۔

جناب چیئرمین! آپکے علم میں ہے کہ برطانیہ میں سارے لوگ ہی حامی نہیں ہیں ملکہ برطانیہ کے، وہاں ری پبلکن بھی ہیں جو وہاں شنشاہیت کو ختم بھی کرنا چاہتے ہیں لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ملکہ کے خطاب کے دوران کسی نے ہلڑ بازی کی ہوا سے interrupt کیا ہو، اسی طریقے سے کینیڈا، آسٹریلیا، انڈیا ہے جہاں اسی برطانوی پارلیمنٹ کی روایات کے مطابق صدر مملکت کا خطاب ہوتا ہے اور اس خطاب کے دوران خواہ اس کے مندرجات کو کوئی شخص پسند کرے یا نہ کرے چونکہ بعد میں موقع دیا جاتا ہے کہ اس کے بارے میں اظہار رائے کیا جا سکے لہٰذا اسے کوئی شخص بھی اس وقت بدمزگی پیدا نہیں کرتا۔ اور خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ اسلام آباد میں موجودہ تمام نمائندے موجود ہوں، سفراء موجود ہوں۔ ساری حکومت موجود ہو، Army chiefs موجود ہوں تو ایسی صورت میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ لوگ اندازہ لگائیں گے کہ ہمارا طرز عمل جمہوریت کے بارے میں کیا ہے اور ایک گولڈن پرنسپل جو جمہوریت میں بتایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کو اگر کسی کی ذات سے اختلاف بھی ہو۔ تو کم از کم وہ چیز سن لیجئے جو وہ کہتا ہے اور اس پر آپ کو تنقید کرنے کا یا اختلاف کرنے کا حق حاصل ہے اور اسلام میں بھی ایسی چیز کو بنیاد بنا کر یہ کہا گیا ہے۔

(عربی کا ترجمہ)

"یہ دیکھو

کہ کیا کہتا ہے یہ نہ دیکھو کہ کون کہتا ہے"۔ اگر مخالف بھی اچھی بات کہے، صحیح بات کہے، تو پھر اس کو تسلیم کرنا چاہئیے یہ صحتمند رویہ ہے اور اگر آپ کا کوئی حامی بھی کوئی غلط بات کہے تو بعد میں آپ اس پر اختلاف اور تنقید کا حق رکھتے ہیں۔ کیونکہ اس طرز عمل سے اگر صدر مملکت کے خلاف بینچ بجائے جائیں، .No. No کیا جائے سارے لوگ اٹھ کر کھڑے ہو جائیں کوشش یہ کی جائے کہ کوئی تقریر نہ سن سکے، یا توہین مقصود ہو تو صدر مملکت جو فیڈریشن کی نماہندگی کرتے ہیں ان سے ملک کی توہین ہوتی ہے اداروں کی توہین ہوتی ہے اور ملک سے باہر پاکستان کے امیج، پاکستان کے وقار کو دھچکا لگتا ہے اس میں کوئی شک نہیں

کہ پاکستان کا جھنڈا دنیا میں صرف اتنا ہی بلند ہو گا جتنا خود پاکستان کے اندر ہو گا اگر یہاں ہمارا طرز عمل ایسا ہو جس سے ایک دوسرے کے احترام میں کمی ہو یہ ممکن نہیں ہے کہ ملک کے باہر ہمارا لوگ احترام کرنا شروع کر دیں۔ اس لئے جو رویہ صدر مملکت کے خطاب کے دوران اپوزیشن کے اکثر ارکان نے اختیار کیا میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ درست نہیں تھا اور اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

صدر مملکت نے اپنے خطاب میں تین چار چیزوں پر زیادہ زور دیا ہے سب سے پہلے انہوں نے سیاسی یا جمہوری استحکام کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب تک ہمارا طرز عمل جمہوری نہیں ہوتا ہم ایک دوسرے کو برداشت نہیں کرتے، اس وقت تک بیرونی دنیا کو پاکستان کے نظام کے اوپر، پاکستان کی حکومت کے اوپر اعتماد پیدا نہیں ہو گا۔ پاکستان میں کوئی سرمایہ کاری نہیں ہو سکے گی۔ پاکستان کے خارجہ تعلقات اس level پر استوار نہیں ہو سکیں گے جو آپ کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے آپ کی خارجہ پالیسی اور دفاع ہو، آپ کے ملک کی داخلی صورتحال ہو، امن و امان ہو، جب تک کہ سیاسی اور جمہوری استحکام نہیں ہوتا اس وقت تک باقی چیزیں بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں Irrelevant ہو جاتی ہیں اس لئے جو صدر مملکت نے یہ کہا ہے کہ ایک دوسرے کو برداشت کرنا، سنجیدہ طرز عمل اختیار کرنا، اور لوگوں کے لئے ایک مثالی کردار پیش کرنا، وہ پارلیمنٹ کے ارکان کے اوپر ایک بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اور اس سلسلے میں دو چیزیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں ایک تو ہے کہ دولت روپے پیسے کے ذریعے سے سیاست میں جو اپنا مقام بنانے کا رجحان چلا ہے اس کی dimensions بڑھتی جا رہی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں elections ہوں گے جمہوری طرز عمل ہو گا وہاں خرچ اخراجات تو ہوں گے لیکن اگر دولت ہی سب کچھ ہو جائے، امیدوار کی اپنی کوئی شناخت نہ رہے اس کا کردار کوئی چیز نہ دے اس کی وابستگی کوئی چیز نہ رہے تو پھر یقیناً ایسا وقت بھی آ سکتا ہے جبکہ ان مقدس ایوانوں میں صرف وہی لوگ بیٹھے ہوں جو بلیک مارکیٹر ہوں جو

صرف سمگلرز ہوں اور جو ہر ناجائز دھندے سے جنہوں نے دولت کمائی ہو وہ یہاں بیٹھے ہوں پھر اس اسمبلی سے اگر کوئی شخص یہ توقع کرے کہ وہ علامہ اقبال کے خیالات و تصورارت کے مطابق ہو گی جو اجتہاد بھی کیا کرے گی جو قوم کی رہنمائی بھی کیا کرے گی جو اپنی ذات کو نہیں بلکہ ملکی مفاد کو دیکھیں گے تو یہ بات ممکن نہیں رہے گی وہ کیفیت اگر بدقسمتی سے کسی ملک میں پیدا ہو جائے تو پھر اسکی تباہی، انتشار مقدر ہو چکا ہوتا ہے۔ اس لئے یہ بہت ضروری ہے کہ کوئی لوگ سر جوڑ کر جو دانشور ہیں، سنجیدہ فکر لوگ ہیں ان کو اس پر سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا کوئی طرز عمل اختیار کرنا ہوگا معاشرتی اصلاح کا، قانون کے ذریعے سے آئین کے ذریعے سے کہ جو دولت ہی پڑھ کر سب چیزوں سے آگے بڑھ کر لپیٹ میں لے رہی ہے، جائز ناجائز کے تصور سے بالاتر ہو کر اس کا سدباب کرنا بہت ضروری ہے تاکہ یہ نہ ہو کہ ؎

؎ اے زر تو خدا نہیں ولیکن خدا

ستار العیوب و قاضی الحاجاتی...... کہ جو کچھ بھی کسی نے دنیا میں کرنا ہو......اگر دولت ہو، انصاف بھی خرید سکے۔ سیٹیں بھی خرید سکے۔ حکومت میں بھی آسکے۔ یہ بات بہت نقصان دہ ہو گی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اسی کا دوسرا پہلو ہاؤس ٹریڈنگ کا بھی ہے ہارس ٹریڈنگ میں بھی باقی چیزوں کے علاوہ سب سے بڑا element، سب سے موثر element جو سمجھا گیا ہے، جس نے کارکردگی دکھائی بھی ہے وہ بھی پیسے کا لین دین ہے۔ یہ قابل نفرت چیزیں ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس پر غور کرنا بہت ضروری ہے۔ اگلی چیز جس کے بارے میں صدر مملکت نے اپنے خطاب میں صفحہ بائیس پر تذکرہ کیا ہے وہ افغانستان کا مسئلہ ہے۔

جناب چیئرمین! آپ کے علم میں ہے کہ گزشتہ بارہ تیرہ سال سے افغانستان میں پہلے تو ایک غیر ملکی استعمار کے وہاں قابض ہو جانے کی وجہ سے، وہاں کے لوگوں نے خود ہتھیار اٹھا کر ان کا مقابلہ کرنا شروع کیا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ پندرہ بیس مہینے تک بغیر کسی

بیرونی امداد کے انہوں نے اپنی آزادی کی جنگ خود لڑی۔اور کسی طرف سے کوئی امداد ان کو نہیں ملتی تھی۔ لیکن انہوں نے اپنے سروں پر کفن باندھے اور غیر ملکی استعمار کا مقابلہ شروع کیا۔ رفتہ رفتہ پاکستان نے بھی ان کی امداد کی۔ یہاں دو اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ کی کانفرنسیں بھی ہوئیں۔اور دیگر ممالک نے بھی اپنے اپنے مفادات کے تحت اس معاملے میں دلچسپی لیناشروع کی۔ اور اس میں بھی کوئی حقیقت نہیں کہ انہوں نے کئی قربانیاں، جو پوری تاریخ میں اگر آپ دیکھیں توجو افغانیوں نے اپنے خون۔ اپنی جرأت سے قربانیاں دی ہیں وہ بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ لیکن اب ایک مرحلہ ایسا آگیا ہے جب کہ بہت سی الجھنیں پیدا ہو رہی ہیں اور بہت سی الجھنیں پیدا کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ کچھ لوگ شروع ہی سے اس حق میں نہیں تھے کہ پاکستان افغانستان کی آزادی کے سلسلے میں کوئی رول ادا کرے۔ ان کا طرز عمل آج بھی وہی ہے۔اور وہ اسی بات کے خواہشمند ہیں کہ جتنی جلدی ہو سکے ان لوگوں سے پیچھا چھڑالیا جائے۔ان کو یہ کہا جائے کہ آپ پاکستان میں کافی رہ لئے۔اب آپ کو واپس جانا چاہئیے۔ لیکن ان کا یہ طرز عمل ایک متواتر طرز عمل ہے۔ جس کے بارے میں نہ صرف پاکستان کے لوگوں کو بلکہ بیرونی دنیا کے لوگوں کو بھی پتہ ہے۔ خود افغانیوں کو بھی اس بات کا علم ہے۔ لیکن کچھ عرصہ سے وہ لوگ جو پہلے ان کی مدد کیا کرتے تھے مغربی ممالک میں سے، انہوں نے بھی تھوڑا سا اپنا ہاتھ اس لحاظ سے روک لیا ہے، جس کی دو وجوہات ہیں، پہلی بڑی وجہ تو یہ ہے کہ ایک طرز عمل امریکہ نے اختیار کرنا شروع کر دیا۔ جسے یورپ کے باقی ممالک بھی فالو کر رہے ہیں کہ اب روس کے منتشر ہو جانے کے بعد کمیونزم کا مقابلہ ختم ہوا۔اب اگر اگلا قدم لینا ہے تو اس کا رخ اسلام کی جانب ہونا چاہئیے۔اور اس سلسلے میں امریکہ کے اور باقی یورپ کے ممالک کے ذمہ دار لوگوں کے بیانات چھپے ہیں الیکٹرانک میڈیا میں بھی آئے ہیں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا ریوائیول ان کے لئے یا ان کی پالیسیوں کے لئے ایک بہت بڑی رکاوٹ ہو سکتا ہے۔اس لئے ان کی خواہش یہ ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے کوشش کی جائے جہاں کہیں کسی ایک ملک میں

مسلمانوں کے پوٹینشل کو ڈویلپ کیا جا رہا ہو۔ یا وہ آپس میں کوئی رابطہ کرنے کی کوشش کریں تو اسے سختی سے ابتدا ہی میں روک دیا جائے۔ اس لئے اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے جو analysis چھپتے ہیں جو تقریریں ہوتی ہیں ان میں بھی یہی آرہا ہے کہ اگر افغانستان آزاد ہو جاتا ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن اگر افغانستان میں ایک اسلامی حکومت آجائے۔ تو پھر ایران افغانستان پاکستان اور کشمیر میں اٹھنے والی لہر اس خطہ میں ایک ایسا fundamentalism کا crecent بنادے گی ایک نیوکلس بنادے گی جس کا مقابلہ بعد میں کرنا مشکل ہو جائے گا۔ اور اس کے بعد وہ شامل کرتے ہیں یہ سینٹرل ایشیا ریپبلکس کو بھی کہ ان کا رابطہ ان کے ساتھ زیادہ نہ ہونے پائے۔ یہ چیزیں چل رہی ہیں لیکن ان ساری باتوں کو سمجھنے کے باوجود کسی شدید رد عمل کے زبانی یا ظاہری اظہار کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اس بات کی ضرورت ہے کہ سنجیدگی سے ایسی پالیسیاں ترتیب دی جائیں کہ جن لوگوں کے دلوں میں پہلے سے بیماریاں موجود ہیں ان میں اضافہ نہ ہو اور بلاوجہ ہم بین الاقوامی سازشوں کا شکار ہونے سے بچ جائیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اپنے اصولی موقف سے دستبردار ہونا بھی خود پاکستان کے مفاد میں نہیں ہے۔ اگر تیرہ سال جرأت اور دلیری کے ساتھ قربانیاں بھی اس کے ساتھ دی ہیں۔ اور اپنے دروازے بھی ان پر کھولے رکھے ہیں تو کچھ وقت اور انتظار کرنے سے قیامت نہیں ٹوٹ پڑے گی۔ جو لوگ آپ کے پاس بیٹھے ہیں۔ آپ قطعاً انہیں یہ تاثر نہ دیں اور جو لوگ ان کے انتظار میں افغانستان میں موجود ہیں انہیں بھی آپ یہ تاثر قطعاً نہ دیں کہ پاکستان خدانخواستہ اس بات سے تنگ آگیا ہے۔ یا پاکستان اب جلدی میں ہے۔ اس سے بچا جائے۔ اس بند گلی یا بند راستے میں نہ جائیں۔ آپ نے جس صبر حوصلے اور جرأت کا مظاہرہ کیا ہے بجائے اس کے کہ اب حل کا وقت آیا جب کامیابی کا وقت آیا اس وقت آپ ایسا طرز عمل اختیار نہ کریں کہ آپ کے سارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے۔ ہماری یہ خواہش ہونی چاہیئے کہ افغانستان میں کیا حکومت ہو۔ حکومت وہی ہو جسے افغانستان کے لوگ خود پسند کریں۔ جو اس کی اپنی رائے اور مرضی کی

ہو۔اس میں نہ امریکہ کی چلنی چاہئے۔نہ یورپ کی اور نہ کسی اور ملک کی۔ بلکہ افغانیوں کا اپنا فیصلہ ایک دیرپا امن وہاں لا سکتا ہے۔ان کی دوبارہ بحالی ہو سکتی ہے ان کا ملک اپنا پھر اختیار اعلیٰ یا ساورنٹی حاصل کر سکتا ہے۔ اگر ان پر کوئی ایسا جعلی یا بناوٹی حل ٹھونسنے کی کوشش کی گئی تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہاں امن نہیں آسکتا۔ انہوں نے یہ بات بتا دی ہے۔ کوئی حل کوئی اقتدار ان پر ٹھونسا نہیں جا سکتا۔ اس کا وہ مقابلہ کر سکتے ہیں۔ پہلے بھی کر سکتے تھے لیکن اب اس سے زیادہ موثر طریقے سے اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ یہ بات پاکستان کے حق میں نہیں ہے اس ریجن کے امن کے لئے مناسب نہیں ہے۔ علاقائی امن کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہاں اس کیفیت کو جاری رکھنے کے لئے یا تنگ نظری کا مظاہرہ کیا جائے یا کوئی ایسا طرز عمل اختیار کیا جائے کہ وہاں بجائے اس کے زیادہ خون خرابہ ہو۔ اس کے علاوہ جو دوسرا مسئلہ ہے جس کی طرف صدرِ مملکت نے اپنے خطاب کے صفحہ ۲۳ پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے وہ کشمیر کا مسئلہ ہے۔

کشمیر کے مسئلہ پر آج صبح بھی کچھ اظہار خیال ہوا ہے کل کے افسوسناک واقعات کے کئی پہلو ہیں۔ اس کا ایک پہلو تو آپ یہ دیکھئے جناب چیئرمین، کہ کشمیر میں بھارت نے کسی بیرونی اخبار نویس کو کسی ایجنسی کو کسی ہیومن رائٹس آرگنائزیشن کو کسی ریڈ کراس یا ریڈ کریسنٹ کو اندر جانے کی اجازت نہیں دی۔ لیکن مغربی ممالک نے اس پر کسی شدید ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ صرف انہوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپلائی کیا تھا ہم نے خواہش کا اظہار کیا تھا لیکن انہوں نے ہمیں اجازت نہیں دی۔ یہ طرز عمل بھی کمزوری کا طرز عمل ہے۔ یہ غیر اصولی طرز عمل ہے۔ اگر کوئی اور مقام ہوتا یا مغربی ممالک کی اپنی دلچسپی ہوتی تو اس وقت تک وہ ہندوستان کو مجبور کر چکے ہوتے کہ وہاں بین الاقوامی ریلیف ایجنسیز کو تو کم از کم جانے دیتے۔ اس علاقے میں جہاں سینکڑوں لوگ روزانہ صرف شہید ہوتے ہیں زخمی ہوتے ہیں بے گھر ہوتے ہیں ان کے گھر جلائے جاتے ہیں لیکن وہاں ان کی ریلیف کا کوئی بندوبست نہیں کوئی ٹینٹ نہیں کوئی علاج کا بندوبست نہیں وہاں ان کی خوراک کا کوئی

بندوبست نہیں گزشتہ تین سال سے وہاں کوئی تجارت نہیں ہو رہی تین سال سے ان کے کوئی پھل یا ان کی دستکاریوں کے بکنے کا کوئی سامان نہیں ہے لیکن ہندوستان تو انہیں اسی کیفیت میں رکھنا چاہتا ہے تاکہ اس مزاحمت کو ختم کیا جا سکے اور اس کے ختم کرنے کے لئے آج تک کوئی تقریباً ۲۰، ۲۵ دن پہلے آپ نے وہ بیان پڑھا ہو گا جو بھارت کے کمانڈر انچیف نے دیا تھا چیف آف دی آرمی سٹاف راڈرک نے دیا تھا جنرل راڈرک نے یہ کہا تھا کہ دو اڑھائی مہینے اور چاہئیں ہم فوج کا وہ استعمال کریں گے کہ اسلحے کا وہ استعمال کریں گے کہ وہاں مزاحمت باقی نہیں رہنے دیں گے۔ اب اس واضح بیان کے بعد کہاں رہ جاتا ہے شملہ معاہدہ کہاں رہ جاتے ہیں انسانی حقوق کہاں رہ جاتے ہیں دو طرفہ تعلقات کہاں رہ جاتا ہے سارک کہاں رہ جاتی ہے اقوام متحدہ اور اسلامی کانفرس۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس بیان نے ان ساری چیزوں کی نفی ہی نہیں کر دی بلکہ دھجیاں ادھیڑ دی ہیں لیکن اس کا کوئی رد عمل نہیں ہوا اور اگر برطانیہ میں کچھ ممبران پارلیمنٹ کشمیر کے بارے میں بات کرتے ہیں ان کی ہمدردی کرتے ہیں وہاں انہوں نے ایک انٹر پارٹی گروپ بھی بنایا ہے تو جہاں میں ان کو کریڈٹ دیتا ہوں وہاں اس کے ساتھ ساتھ پاکستانیوں اور خصوصاً کشمیریوں کو جو انگلستان میں موجود ہیں انہوں نے اتنی موئثر compaign چلائی اور یہ باور کروادیا کہ اتنے لاکھوں کی تعداد میں ان کی ووٹیں آئندہ الیکشن میں لنک ہیں اس پر کہ وہ کشمیر کے بارے میں حمایت کرتے ہیں یا مخالفت کرتے ہیں یا نیوٹرل رہتے ہیں اس بات کو انہوں نے اس کی مجبوری بتادیا ہے کہ وہ کشمریوں کے حق میں بات کریں اور میں جب بین الاقوامی کشمیر کانفرنس میں گیا جو بین الاقوامی کشمیر فورم نے کی تھی میں نے اس میں محسوس کیا کہ لیبر پارٹی کے ارکان یا کنزریٹو پارٹی کے ارکان یا انڈیپینڈنٹس ان تینوں نے جب اس بارے میں اپنی حمایت کا اعلان کیا تو کانوں کو یقین نہیں آرہا تھا کیوں کہ کچھ ہی عرصہ پہلے تک برطانیہ میں سے بھی اگر آواز نکلتی تھی تو یہی کہ یہ دونوں ممالک کا آپس کا مسئلہ ہے ہمارا اس کے ساتھ کوئی زیادہ تعلق نہیں ہے حالانکہ برطانیہ کی اس میں خصوصی ذمہ داری ہے اسی طریقہ سے امریکہ کی بھی

اس میں خصوصی ذمہ داری ہے سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آج سے کوئی تقریباً سوا دو سو سال پہلے جب امریکہ برطانیہ کی ایک کالونی تھی تو اس وقت امریکہ کی قیادت نے اور لوگوں نے آزادی کے لئے جنگ لڑنی شروع کی اور وہ فرانس کے انقلاب سے متاثر ہوئے تھے اور انہوں نے ایک اعلامیہ جاری کیا کہ ہم دنیا کی آزاد قوموں کو یہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ برطانیہ کے استعمار کے خلاف ہماری مدد کریں اور انہوں نے خاص طور پر فرانس سے اپیل کی لیکن ایک عجیب دلچسپ بات ہے کہ برطانیہ کی وزارت خارجہ نے جو اعلان اس وقت کیا وہ وہی تھا جو آج ہندوستان کی حکومت کر رہی ہے برطانیہ کی وزارت خارجہ نے یہ کہا کہ امریکہ برطانیہ کا داخلی معاملہ ہے یہ برطانیہ کا اٹوٹ انگ ہے لہٰذا کسی اور کو ہم یہ اختیار نہیں دیتے کہ وہ ہماری داخلی معاملے میں کوئی مداخلت کرے وہی دلیل دہرائی جاتی ہے جب خود امریکہ کے لوگ اس دلیل کا سامنا کر چکے ہیں تو آج وہ کیوں برملا ہندوستان کو نہیں کہتے کہ ہر کالونیئل پاور یہی ایک مسئلہ سامنے کھڑا کرتی ہے کہ یہ ہمارا داخلی معاملہ ہے اور اس کے بعد افریکا کے ممالک کے اوپر جب فرانس کہ یا اٹلی کی نو آبادیات تھیں وہاں بھی جب ان کی آزادی کے لئے تحریک چلتی تھی اور دوسرے ملک آواز اٹھاتے تھے تو پھر یہی کہا جاتا تھا کہ یہ ہمارا داخلی معاملہ ہے تیونس، الجزائر مراکو یہ فرانس سے جب آزادی چاہتے تھے اور دنیا سے آواز کسی اور جگہ سے بلند ہوتی تھی خواہ مصر کرتا تھا یا حضرت قائداعظم نے کیا تھا تو اس وقت بھی یہ کہا جاتا تھا فرانس کی طرف سے کہ یہ ہمارا داخلی معاملہ ہے لیکن ان لوگوں کی قربانیوں کی وجہ سے وہ ممالک آزاد ہوئے اس لئے آج بھارت کی یہ دلیل قطعاً در خود اعتنا نہیں سمجھنی چاہیئے کہ کشمیر بھارت کا داخلی معاملہ ہے امریکہ کی دوسری ذمہ داری اس لحاظ سے آئی ہے کہ امریکہ کے ساتھ پاکستان نے ۱۹۵۴ء میں دفاعی معاہدے کئے اور آپ کو پتہ ہے کہ بھارت دل سے تو شروع سے یہ نہیں چاہتا تھا باوجود اعلانات کے جو ان کے طرز عمل نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ کشمیر کو الگ نہیں ہونے دیں گے بے اصولی کریں گے اس کو زبردستی قبضے میں رکھنے کی کوشش کریں گے لوگوں کو بھی دبائیں گے اور رائے شماری کی

جو قرارداد انہوں نے منظور کی تھی اس پر عملدرآمد نہیں ہونے دیں گے حیلوں بہانوں سے لیکن سب سے پہلی بار جب بھارت نے یہ بہانہ کیا اور علی الاعلان یہ کہہ دیا جواہر لال نہرو نے کہ اب ہم قطعاً رائے شماری کو تسلیم نہیں کرتے وہ ۱۹۵۴ء تھا جب پہلی دفعہ اس نے کہا اور کیوں کہا؟ اس نے کہا کہ اس ریجن میں ایک کوالیٹیٹو چینج آگئی ہے کہ پاکستان نے امریکہ اور برطانیہ کے ساتھ دفاعی معاہدوں میں شرکت کر لی سیٹو اور سینٹو میں اس لئے اب ہوم رائے شماری کو تسلیم نہیں کرتے حالانکہ ان دونوں کا کوئی تعلق نہیں تھا اگر پاکستان اپنی دفاعی مجبوریوں کی بنا پر ہندوستان کے ظالمانہ رویے کی وجہ سے روس کے اتنے قریب ہونے کی وجہ سے اگر ان مجبوریوں کے تحت پاکستان نے ان کے ساتھ دفاعی معاہدے کئے تو اس میں کشمیریوں کا تو کوئی قصور نہیں تھا اقوام متحدہ کی قرار دادوں کے اوپر تو اس کا اثر نہیں پڑنا چاہئیے تھا لیکن اس چیز کو بہانہ بنا کر بھارت نے رائے شماری سے انکار کیا تھا اس لحاظ سے بھی میں یہ سمجھتا ہوں کہ امریکہ کی بہت بڑی ذمہ داری تھی لیکن امریکہ یو این او کے اندر سیکیورٹی کونسل کے اندر اور یوں بھی جب پاکستان threatened محسوس کرتا تھا communistic hegemony سے تو پھر وہ اس کا ساتھ دیتا رہا وہ کوائف نہیں بدلے، کشمیریوں کے کوائف نہیں بدلے Security Council کی resolutions نہیں بدلیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ حقیقت نہیں بدلتی، سچ نہیں بدلتا لیکن آج امریکہ کی چند دن پہلے ان کی وزارت خارجہ کی ایک افسر Mrs. Shaker نے یہ بیان دیا کہ پاکستان جو مداخلت کر رہا ہے کشمیر کے اندر ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے، ہم اس کو اچھا نہیں سمجھتے یہ کل کے جو واقعات ہیں اس سے دنیا کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں کیوں کہ یہاں مغربی ممالک سے بے شمار television teams آئیں اس بات کو cover کرنے کے لئے کہ پاکستان کے لئے کتنی زیادہ الجھن پیدا ہوگی اس کے کیا اثرات ہوں گے اس کے لئے تو بیشمار ٹیمیں آگئیں مقبوضہ کشمیر کے اندر جانے کا تو انہیں کوئی خیال نہیں آیا نہ وہ گئے ہیں لیکن یہاں جو ایک فساد کھڑا کرنے کی کوشش کی گئی ایک خاص مکتب فکر کو آگے بڑھانے کی کوشش کی گئی اور پھر

پاکستان کواس الجھن میں دیکھ کراسے اجاگر کرنے کی جو خواہش پیدا ہوئی اس کے تحت انہوں نے بیشمار television teams, journalist وغیرہ بیشمار لوگ بھیجے لیکن انہوں نے خود تو ایک بات دیکھ لی ہو گی کہ باوجود پاکستان کی حکومت کے اعلانات کے باوجود آزاد کشمیر کی حکومت کی کوششوں کے بھی لوگ اب غلامی کی زندگی سے تنگ آ چکے ہیں وہ آزاد رہنا چاہتے ہیں یہی کیفیت خود مقبوضہ کشمیر کے اندر بھی ہے اس لئے کسی اور کے وہاں کہنے یا کہلانے کی بات نہیں ہے اس بات سے تو یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ ایک indigenous تحریک ہے ساری دنیا سے مایوس ہو جانے کے بعد ان کشمیریوں نے بھی اپنی جانیں قربان کرنے کا عزم ہی نہیں کیا بلکہ عملی طور پر اس پر عمل کر کے دکھایا ہے خواتین نے بھی بچوں نے بھی جوانوں نے بھی اور بوڑھوں نے بھی کہ وہ ہندوستان کی غلامی سے آزادی چاہتے ہیں یہ وقت مناسب نہیں ہے کہ اس وقت پاکستان میں یہ بحث چھیڑ دی جائے کہ آیا الحاق پاکستان یا الحاق ہندوستان ان کے پاس دو راستے ہیں یا اگر وہ خود مختار ہونا چاہتے ہیں تو تیسرا راستہ بھی ہے یہ مرحلہ اس قسم کے جھگڑوں میں اور بحث میں پڑنے کا نہیں ہے اس جھگڑے میں پڑ کر ہم اپنے اندر بھی انتشار پیدا کر سکتے ہیں ان جھگڑوں میں پڑ کر کشمیر کی تحریک آزادی کو بھی کمزور کر سکتے ہیں لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اتفاق اور اتحاد سے کشمیریوں کے اس حق دلانے کی کوشش کی جائے کہ وہ اپنی تقدیر کا اپنی قسمت کا اپنے مستقبل کا خود فیصلہ کریں۔ اس کے بعد جو وہ فیصلہ کریں اس کو قبول کر لیا جائے اس بات میں پڑنے کی کسی کو، تنقید کرنے کی، کسی کو مخالفت کرنے کی، کسی کو غداری یا غیر غدار قرار دینے کا یہ مرحلہ نہیں ہے، نہ کوئی کریڈٹ تقسیم کرنے کا مرحلہ باقی ہے بہت بڑی آزمائش کا مسئلہ ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان کے داخلی تعلقات ہوں یا خارجہ تعلقات ہوں اس کے وجود کا مسئلہ ہو کشمیر سے زیادہ اہم مسئلہ اور کوئی نہیں ہے اور وزارت خارجہ کی وزارت اطلاعات اور حکومت کی ساری توجہ اسی بارے میں ہونی چاہئیے کہ اس مسئلے سے کیسے نمٹا جائے۔ اس سے کیسے عہدہ بر آ ہوا جائے اس کو کیسے آگے بڑھایا جائے یہ کوئی بہت

سارے مسائل میں سے ایک مسئلہ نہیں ہے بلکہ ٹاپ موسٹ مسئلہ ہے ہماری اپنی survivalکا بھی مسئلہ ہے اور ایک اصول کا بھی مسئلہ ہے کشمیر کا علاقہ کوئی دوملوں کے درمیان سرحدی تنازعہ نہیں ہے یہ ایک کروڑ بیس لاکھ لوگوں کی قسمت اور آزادی کا مسئلہ ہے۔ ان سے بہت تھوڑے تھوڑے تعداد میں لوگوں نے آزادیاں حاصل کرلی ہیں لیکن ان کو بھارت اس آزادی سے اسلحے کے ذریعے سے ظلم و تشدد کے ذریعے سے کوشش کر رہا ہے تو پھر میں سمجھتا ہوں کہ ساری انسانیت کی اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سلسلے میں کوشش کرے ہندوستان کے ہاتھ کو روکے اس برہمنی سامراج کو روکے کہ وہ وہاں جو کچھ کر رہا ہے وہ انسانیت کے نام پر ایک دھبہ ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اسرائیل بھی فلسطنیوں کے اوپر بہت ظلم کر رہا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ساؤتھ افریقہ میں بھی ظلم ہوئے اس میں کوئی شک نہیں کہ برما کی فوجی حکومت مسلمانوں کے اوپر بھی ظلم کر رہی ہے لیکن جو مظالم کشمیریوں کے اوپر ہندوستان کر رہا ہے وہ ان سب کے مقابلے میں بہت بڑھ کر ہیں اس کمینگی کا کوئی اور مقابلہ نہیں کر سکتا سب سے بڑا مجرم آج ہندوستان ہے اس لئے چند دن پہلے بھارت نے جب یہ پریشر محسوس کیا تو واں کے وزیر اعظم نے آل پارٹیز کانفرنس بلائی کہ کشمیر کے مسئلے سے کیسے نمٹا جائے اور اس آل پارٹیز کانفرنس کے اندر تمام مخالف جماعتوں نے بھی ہندوستان کے وزیر اعظم کو اپنی بھرپور حمایت کا یقین دلایا ہے آپ اس طریقے سے اس سے نمٹیں۔ اور وقتاً فوقتاً ہم سے مشورہ کرتے رہیں ہم آپ کے ساتھ ہیں اس سے گھمبیر صورت حال کا سامنا پاکستان کو ہے لیکن بدقسمتی سے یہاں فضا اپنے باہمی جھگڑوں سے بالاتر نہیں ہو سکی ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور سیاسی طور پر اس سے فائدہ حاصل کرنے کے سوا سیاست کا کوئی محور ہی نہیں رہ گیا۔ میں اس ایوان کے اندر آپ کے ذریعے سے جناب چیئرمین صاحب یہ اپیل کرتا ہوں کہ ملکی یا قومی معاملات میں ہمارے بیسک انٹرسٹ انوالو ہیں اور خاص طور پر پاکستان کو کشمیر کا جو بہت بڑا چیلنج درپیش ہے کشمیریوں کو درپیش ہے اس میں کم از کم ایسی پالیسی اپنالی جائے جو پوری قوم ایک سرے

سے دوسرے تک محسوس تو کرے اور اس کا اظہار اجتماعی طور پر ہونا چاہیئے اور باقی دنیا کو پتہ لگنا چاہیئے کہ پاکستان کے سیاستدانوں میں پاکستان کی مختلف سیاسی جماعتوں کے راہنماوں میں اتنی سنجیدہ فکر موجود ہے مفادات کو وہ سمجھتے ہیں طرز عمل کو بھی وہ سمجھتے ہیں وہ کم از کم اس معاملے میں اکٹھے ہو کر ایک آواز بلند کر سکتے ہیں جس کے اثرات نہ صرف ملک کے اندر اچھے پڑیں گے کشمیر کے اوپر اچھے پڑیں گے بلکہ پوری دنیا میں لوگوں کے اوپر یہ تاثر ابھرے گا کہ پاکستان کے سیاسی راہنما جہاں ان کے قومی معاملات میں جہاں ان کے مفادات ہوتے ہیں وہاں اکٹھے ہو کر ایک معاملے پر ایک موقف اختیار کر سکتے ہیں ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کی بجائے اس معالے میں میں سمجھتا ہوں کہ ضرور کوئی ایسا سلسلہ کرنا چاہیئے جس سے ایک آواز اٹھے اسی طریقے سے بھارتی پنجاب کے اندر آپ نے سنا ہو گا کہ اگلے چھ دن کے اندر بدھ کے دن بھارت وہاں انتخابات کرانا چاہتا ہے لیکن سنگینوں کے سائے میں اپنی مرضی کے لوگوں کو اوپر لانے کے لئے یہ بھارت کا داخلی معاملہ ہے۔ کشمیر کو اور بھارتی پنجاب کو ایک سطح پر نہیں لایا جا سکتا اس میں کوئی شک نہیں کہ وہاں بھی انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیاں ہو رہی ہیں لیکن اس کی بنیاد اور ہے بھارت کے اور حصوں میں بھی یہی کیفیت ہے لیکن اس کی بنیاد اور ہے آسام ہو یا ناگا لینڈ ہو ان کی بنیاد اور ہے ہم اس جھگڑے میں نہیں پڑتے لیکن سکھوں کے پنجاب میں لاکھوں کی فوج بھیج دی گئی ہے اور وہاں کی لیڈر شپ کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور جو گردوارہ بندھک کمیٹی تھی اس کے لیڈر بھی گرفتار کر لئے گئے ہیں اور بھارت وہاں اپنی مرضی کے انتخابات کرانے کی کوشش کر رہا ہے اور وہاں کی آبادی نے اس کا بائیکاٹ کر دیا ہے اور اعلان کر دیا ہے کہ کوئی اس میں حصہ نہ لے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کے اثرات ہمارے بارڈر کے اوپر ہو سکتے ہیں وہاں سے آبادی منتقل ہو سکتی ہے وہاں مار اماری ہو سکتی ہے جیسے کئی سال سے چل رہی ہے اور ہماری سلامتی کے اوپر بھی اس کے اثرات ہو سکتے ہیں اس لئے اس معاملے کے اوپر بھی چوکنا رہنا ہو گا جب یہ معاملہ چلا تھا تو میں نے ایک مہینے پہلے یہ کہا تھا اب تو وہ واضح ہو کر سامنے آ گیا ہے

ایک ہفتے کے بعد بھی اس کے اثرات چلتے رہیں گے اس لئے یہ ایسے معاملات ہیں کہ خارجہ پالیسی جو نئے طریقے سے ترتیب دینی ہو گی میں یہ سمجھتا ہوں اس میں بہت گنجائش ہے کہ غور و فکر اور تدبر کے بعد اس کو ترتیب دیا جائے جلسوں میں تقریریں کرنے سے خارجہ پالیسی ترتیب نہیں دی جاتی جذباتی باتیں کرنے سے ترتیب نہیں دی جاتی بلکہ اس کو ترتیب دینے کے لئے اہل فکر و دانش جو اس پر دسترس رکھتے ہیں خواہ وہ حکومتی جماعت کے اندر ہوں یا حزب اختلاف کے اندر ہوں ان کی آراء سے ان کے تجربے سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جائے ایسے گروپس بنائے جائیں جو افغانستان کے مسئلے میں جو کشمیر کے مسئلے میں جو پاکستان کے نیوکلیئر ایشو کے اوپر جو پاکستان کے اس ریجنل معاملات کے اوپر یہ جو سنٹرل ایشین ری پبلکس ہیں ان کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے اوپر جو لوگ گہری نگاہ رکھتے ہیں ان سے مشورہ اور رائے لینے کے بعد policies بنائی جائیں۔ اس وقت میں اس بات کی کمی محسوس کرتا ہوں اور اس کے اثرات کو بھی محسوس کرتا ہوں۔ حکومت اور مسلم لیگ کے ایک رکن ہونے کی حیثیت سے یہ بات ضروری نہیں ہے کہ جو کچھ بھی ہوتا رہے اگر کوئی برائی بھی نظر آئے کوئی خامی بھی نظر آئے تو آدمی خاموشی سے برداشت کرتا رہے حقیقتاً ہمدرد وہی ہوتا ہے جو بروقت کسی کو کسی معاملے سے خبردار کرے جس سے نہ صرف اس کو جماعت کو اور ملک کو نقصان پہنچ سکتا ہے سنٹرل ایشین ری پبلکس کے بارے میں پاکستان کے طرز عمل پر تنقید ہوئی اس میں دو رائیں ہو سکتی ہیں کہ کیوں دیر سے ان کے ساتھ تعلقات قائم کئے گئے لیکن اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہاں کے حالات ابھی سٹیلڈ نہیں ہیں وہاں کیفیت یہ ہے کہ ایک نظام تو ٹوٹ گیا لیکن دوسرا نظام ابھی تک بنا نہیں نہ اقتصادی نہ سیاسی اور یہی وجہ ہے کہ پھر مغربی ممالک کو وہاں فوڈ ایڈ رش کرنی پڑی ہیں اور ان کو اپنے ممالک کے اندر ہی خوراک اور دوائیاں فراہم کرنے کی کوشش ہو رہی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابھی ان کا کوئی سیاسی رخ بھی نہیں بنا ابھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ساری اسلامی ریاستیں ہیں اور وہ پاکستان اور ایران کے پیچھے چل پڑیں گی یہ بھی نہیں ہے ان میں

سے ہر ایک کا سر براہ وہی ہے جو پرانی سیاسی قیادت کے لوگ ہیں ابھی تک ان کا رخ ماسکو ہی کی طرف ہے ابھی تک وہاں آبادی کی جو ریشو ہے وہ بھی ہر ایک ری پبلک کے اندر مختلف لوگوں کو آباد کیا ہوا تھا وہ موجود ہے جو ۳۷-۱۹۳۶ء میں جو ان کو amalgamate کیا گیا تھا۔ اس اثرات سے بھی باہر نہیں نکل سکے۔ نظام تعلیم وہی ہے اس لئے یہ کوئی آسان مسئلہ نہیں ہے جیسے بعض حضرات کہہ دیتے ہیں کہ فوری طور پر ان کے ساتھ تعلقات قائم کر کے کوئی نہ کوئی ایسا ذریعہ کیا جائے جہاں سے اقتصادی منعفت حاصل ہو سکتی ہے اس کو وقت لگے گا اور انہی چیزوں کو جو تصوراتی منفعتوں کو سامنے رکھ کر کہا یہ جاتا ہے کہ جلدی جلدی سے افغانستان کا مسئلہ حل کر لو وہاں سے دودھ اور شہد کی جو نہریں بہنے والی ہیں، اس میں افغانستان بہت بڑی رکاوٹ ہے اس رکاوٹ کو فوراً رفع کرو۔ ایسا نہیں ہے۔ ان معاملات پر انتہائی گہری نگاہ، سوچ اور فکر کی ضرورت ہے۔ یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ اس لئے یہ جو دنیا کا نظام دوبارہ بن رہا ہے اس میں پاکستان کی وقعت کم نہیں ہوئی، پہلے پاکستان ایک کونے پر سمجھا جاتا تھا۔ پاکستان کے بارے میں اکثر یہ لکھا جاتا تھا کہ it is in the back-yard of the Gulf ایسا نہیں ہے۔ اب پاکستان کی کیفیت ایسی ہے کہ وہ ایک سنٹرل پیس central piece کی حیثیت سے موجود ہے۔ جہاں potenials بہت ہیں، وہاں challenges بھی بہت ہیں، اس لئے خارجہ پالیسی کو بہت طریقے سے ترتیب دینے کی ضرورت ہے لیکن ان ساری باتوں کے ہوتے ہوئے ایک بات جو آخر میں، میں دوبارہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب تک داخلی اتحاد اور اتفاق نہیں ہوگا۔ ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی کیفیت پیدا نہیں کی جائے گی، کسی بھی شعبے میں کسی بھی معاملے میں آپ کی کارکردگی بہت زیادہ بہتر نہیں ہو سکتی ہے۔ انہی الفاظ کے ساتھ میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔

Mr. Presiding Officer : Thank you Raja Sahib. Now the next speaker is Syed Ishtiaq Azhar Sahib.

سید اشتیاق اظہر: شکریہ جناب چیئرمین، آج صدر مملکت کی تقریر پر اظہار خیال کا تیسرا موقع فراہم کیا گیا ہے، میں اس کے لئے آپ کا ممنون ہوں۔ بات دراصل یہ ہے

کہ صدر مملکت کی تقریر پر جو بنیادی اعتراض ہمارے بعض دوستوں نے کیا تھا، وہ یہ تھا کہ صدر مملکت کی تقریر ان کی اپنی لکھی ہوئی ہے یہ حکومتی پارٹی کی ترجمانی نہیں کرتی تو میں اس سلسلے میں یہ کہنا چاہوں گا کہ صدر مملکت نے ۱۹ دسمبر کو جو تقریر کی وہ کوئی نئی تقریر نہیں ہے اس سے پہلے بھی صدر مملکت اسی نوعیت کی تقریریں کرتے رہے اور ان سے پہلے جنرل محمد ضیاءالحق نے بھی جس نوعیت کی تقریر کی تھی اس سے ہم سب واقف ہیں لہٰذا اس مرتبہ اس تقریر کو یہ بنیاد بنا کر کہ یہ تقریر حکومتی پالیسی کی ترجمانی نہیں کرتی ۱۹ دسمبر کو جو کچھ مظاہرہ ہوا، اس کے بارے میں خود بی بی سی نے یہ کہا ہے، بی بی سی کے ترجمان نے یہ کہا ہے، بی بی سی کے نمائندے نے یہ کہا ہے کہ پاکستان میں ایک نئی پارلیمانی روایت قائم کی گئی ہے۔ اور جب یہ ایک غیر ملکی خبر رساں ایجنسی کا یہ تاثر ہو تو پھر یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ جانی چاہئے کہ صدر مملکت کی تقریر کے دوران جو کچھ بھی ہوا اس سے ملک و ملت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں اور میں اس تقریر کے دوران اپنے دوسرے احباب کے ساتھ موجود تھا کہ اس موقع پر صدر مملکت نے جس صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا وہ قابل پذیرائی ہے اور اس صبر و تحمل کے انداز سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ہم میں سے بہت سارے ساتھیوں کے مقابلے میں غلام اسحاق نے زیادہ اور بہتر طور پر جمہوریت سے اپنی وابستگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ جمہوریت کے بارے میں یہ تصور کہ یہ مادر پدر آزادی کا نام ہے، یہ غلط تصور ہے۔ صدر مملکت بھی ان کا جواب دے سکتے تھے لیکن انہوں نے صبر و تحمل کے ستاھ اپنی تقریر جاری رکھی اور اس طرح یہ بات ثابت ہو گئی کہ وہ دوسرے بہت سے ہمارے ساتھیوں کے مقابلے میں جمہوریت سے زیادہ گہری وابستگی رکھتے ہیں اور انہوں نے جمہوریت کے حوالے سے اور جمہوریت کی پائیداری کے لئے اور جمہوریت کے استحکام کے لئے جو رویہ پیش کیا ہے وہ یقیناً پورے ملک کی پذیرائی کا مستحق تھا۔ صدر مملکت کی تقریر میں بنیادی طور پر جو بات کہی گئی وہ جمہوریت کے حوالے سے تھی اور سچی بات تو یہ ہے کہ وہ جن حالات میں صدر بنے تھے، جن حالات میں انہوں نے

قائم مقام صدر کی ذمہ داریاں سنبھالی تھیں اس وقت بھی ان کی جمہوریت سے وابستگی ہی تھی کہ انہوں نے معینہ مدت کے اندر انتخابات کروائے اور جمہوریت کے اس تسلسل کو برقرار رکھا جو ایک سربراہ کا بنیادی فریضہ ہوتا ہے، وہ اگر چاہتے تو ان کا رویہ جمہوریت کے رویہ کے برعکس بھی ہو سکتا تھا لیکن انہوں نے معینہ مدت کے اندر انتخابات کروا کر جمہوریت سے اپنی وابستگی کا ایک ایسا ثبوت فراہم کیا ہے جو ہر لحاظ سے قابل پذیرائی ہونا چاہئیے۔انہوں نے اپنی تقریر بھی جو لب و لہجہ اختیار کیا اس میں بھی انہوں نے جمہوریت کو ہی اولیت دی اور اس حوالے سے انہوں نے اخبار نویسوں کی خدمات، اس کی جدوجہد، جمہوریت کے ساتھ ان کی وابستگی، کے بارے جو الفاظ انہوں نے کہے یہ بھی جمہوریت کے ساتھ، آزادیِ آزادیِ صحافت کے ساتھ، ان کی گہری وابستگی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

ہمارے بعض دوستوں نے اس بات کا مذاق اڑایا اور اس بات پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا مگر حقیقت یہ ہے کہ ایک سابقہ دور حکومت میں جمہوریت کے نام آزادی صحافت کا جو مذاق اڑایا گیا تھا، بہت سے قابل قدر صحافیوں کو شہید کیا گیا تھا، اور اخبارات کو بھی دھمکیاں دی گئی تھیں اور اخباری نمائندوں کو بھی دھمکیاں دی گئی تھیں، خاص طور پر نصیر آباد میں کہ اگر انہوں نے ایک مخصوص انداز فکر کے ساتھ اپنی رپورٹنگ نہیں کی تو ان کا بھی وہی حشر ہو سکتا ہے جو خیرپور اور لاڑکانہ میں جرأت کا اظہار کرنے والے صحافیوں کے ساتھ ہو چکا ہے۔اس پس منظر میں اگر ہمارے صدر نے صحافیوں کی پذیرائی کی تو یہ ایک قابل ستائش امر ہونا چاہئیے تھا اور سچی بات بھی یہ ہے کہ آزادی صحافت کا احترام بھی دراصل بنیادی نوعیت کے جمہوری طرز عمل کی عکاسی کرنا ہے اس لئے کہ جس ملک میں صحافیوں کی عزت ہوگی وہاں جمہوریت کو بھی فروغ حاصل ہوگا۔

اسی طرح سے صدر مملکت کی تقریر میں پارلیمنٹ کی کارکردگی کا حوالہ بھی پیش کیا گیا اور انہوں نے بتایا کہ پارلیمنٹ کی گزشتہ ایک سال کی کارروائی سابقہ ادوار کے مقابلے میں کہیں بہتر ہے یہ بات دراصل ایک لحاظ سے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی سرگرمیوں،

جمہوریت کے ساتھ ان کی وابستگی اور جمہوریت کے حوالے سے پارلیمنٹ کے فرائض کی بجا طور پر ادائیگی، پر خراج تحسین کا درجہ رکھتی ہے اور اس میں بھی اگر کسی کو کوئی عیب نظر آتا ہے تو اس بات پر کیا گفتگو کی جاسکتی ہے۔

اسی طرح صدر مملکت کی تقریر میں صوبوں اور مرکز کے درمیان محاذ آرائی کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے اور یہ کہا گیا کہ موجودہ حکومت کے زمانے میں صوبوں اور وفاق میں محاذ آرائی کی وہ کیفیت پیدا ہونے نہیں پائی جس کا مظاہرہ بیس ماہ کی حکومت میں بار بار کیا جاتا رہا ہے۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہنی چاہیے کہ جب سابقہ دور حکومت میں مشترکہ مفادات کی کونسل کے اجلاس کے انعقاد کا مشورہ پیش کیا گیا اور یہ مشورہ صدر مملکت نے ہی پیش کیا تھا تو یقین جانئیے کہ یہ کہا گیا تھا ایک سابق وزیر قانون کی طرف سے، کہ اگر مشترکہ مفادات کی کونسل کا اجلاس نہیں ہوگا تو کوئی قیامت نہیں آجائے گی اس انداز فکر کے برعکس گزشتہ ایک سال کے دوران مشترکہ مفادات کی کونسل کا ایک سے زیادہ بار اجلاس ہوا اور بہت سے ایسے معاملات جو تصفیہ طلب تھے ان کو حل کیا گیا اسی طرح سے قومی مالیاتی کمیشن کے اجلاس کے حوالے سے بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کمیشن نے ایک ایسی اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا کہ جس طرح اس سے توقع کی جاتی تھی اور جسے ماضی میں کام کرنے کا موقع فراہم نہیں کیا گیا تھا۔ صوبوں اور وفاق کے درمیان محاذ آرائی کی کیفیت اور شدت کو کم کرنا یقینی طور پر نہ صرف حکومت کی بہتر کارکردگی کا ثبوت فراہم کرتا ہے بلکہ اس سے پارلیمنٹ کی بحثیت مجموعی بالادستی کا اظہار بھی ہوتا ہے اور ہمیں اس بات کا خیر مقدم کرنا چاہئیے اس پر کسی قسم کے اعتراض کرنے کی معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم اپنے بنیادی فریضے کو اور اپنی بنیادی ذمہ داریوں کو فراموش کر رہے ہیں اسی طرح سے صدر مملکت کی تقریر میں یہ بات بھی کہی گئی کہ عوام جو فیصلہ کرتے ہیں انتخابات کے دوران اس فیصلے کا احترام ہونا چاہئیے یہ بات بھی جمہوری تقاضوں کے عین مطابق ہے بد قسمتی سے سابقہ دور حکومت میں یہ بات تو کہی گئی کہ صدر مملکت نے ایک وقت پر ایک مخصوص پارٹی کو اقتدار

منتقل کرنے سے انکار کیا اور آخر کار یہ بات ان سے بہ جبر اور عوامی دباؤ کے تحت ان سے منوائی گئی، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۸۸ء کے انتخابات میں کسی ایک پارٹی کو اکثریت حاصل نہیں ہوئی اگر یہ کہا جائے کہ سب سے بڑی پارٹی کو قانونی طور پر حکومت بنانے کا اختیار ملنا چاہیئے تو میں عرض کروں گا کہ ہمارے ہاں جب بھارت کی بات ہوتی ہے تو بالکل اسی نوعیت کے واقعات بھارت میں بھی رونما ہوئے ہیں۔ لیکن وہاں سب سے بڑی پارٹی کے قائد نے از خود یہ پسند نہیں کیا کہ وہ اقتدار طلب کریں انہوں نے اقتدار سے گریز کر کے دوسروں کو موقع دیا اور آخر کار جب دوبارہ انتخاب ہوئے تو پھر وہ پارٹی جو پہلی پارلیمنٹ میں پارلیمنٹ کی سب سے بڑی، لوک سبھا کی سب سے بڑی پارٹی تھی مگر اکثریتی پارٹی نہیں تھی وہ اتنی اکثریت میں منتخب ہو کر آئی کہ اس نے تن تنہا اپنی صوابدید اور اپنی قوت پر اپنی حکومت قائم کی اور وہ حکومت دیرپا ثابت ہوئی۔ یہ جو ۱۹۸۸ء کے انتخاب ہوئے ایک پارٹی کی سربراہ کو اقتدار تفویض کرنے کا فیصلہ ہوا تو وہ اس لئے ممکن ہو سکا کہ ایوان کی قومی اسمبلی کی تیسری بڑی پارٹی نے اس largest party کے ساتھ غیر مشروط تعاون کا اعادہ کیا اور ببانگ دہل اعلان کیا کہ ہم قومی اسمبلی کی سب سے بڑی پارٹی کو سپورٹ کرتے ہیں۔ لیکن اسی سپورٹ کا نتیجہ بے سود ثابت ہوا اور ایک بہت تلخ داستان ہے جس کا ذکر میں سمجھتا ہوں اس موقع پر مناسب نہیں۔ اسی طرح سے صدر مملکت کے حوالے سے ملک میں امن عامہ کی صورتحال کا تذکرہ ہوا اور میرے بعض دوستوں نے سندھ کا خاص طور پر حوالہ دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اکیس ماہ کے دوران جو امن وامان کی ابتر صورتحال رہی اور خاص طور پر حیدر آباد سندھ میں پکا قلعہ کا سانحہ ہوا اس کو دیکھتے ہوئے یقینی طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ سندھ میں اب وہ حالات نہیں ہیں کہ جس کا مظاہرہ ہم نے اور آپ نے بیس ماہ کے دور حکومت میں دیکھا تھا۔ پکے قلعے کا سانحہ میں سمجھتا ہوں کہ تاریخ اسلامی اور تاریخ انسانی میں گزشتہ چار پانچ سو سال کے اندر اتنا بھیانک واقعہ نہیں ہوا اور پورے ادب واحترام کے ساتھ میں عرض کروں گا کہ پکے قلعے میں ایک خاتون وزیر اعظم کی سربراہی

میں چلنے والی حکومت کے دوران چھبیس سے زیادہ خواتین شہید کی گئیں۔ خواہش کی شہادت کا واقعہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ جس کی پوری دنیا میں مذمت کی گئی۔ خدا کا شکر ہے اب سندھ میں ہمارے ایک فاضل دوست نے تسلیم کیا کہ کم سے کم شہروں کے اندر تو حالات بہتر ہیں۔ سندھ میں گزشتہ ایک سال کے اندر کہیں پر کرفیو نہیں لگایا گیا۔ سندھ کے شہروں میں امن و امان کی جو صورتحال ہے اس کے بارے میں یہ کہنا کہ جو لوگ قانون توڑتے تھے دہشت گردی کرتے تھے اب خود حکومت میں شامل ہیں اسی لئے امن وامان کی صورتحال شہروں میں بہتر ہوئی ہے یہ بہت بڑی زیادتی کا درجہ رکھتی ہے اگر ایک پارٹی کو شہری عوام نے اپنے غالب اکثریت کے اعتماد سے نواز ہے تو اس پارٹی اور اس کی تنظیم، موثر تنظیم ہے اور وہ پارٹی اقتدار میں شامل ہے اگر اس کی وجہ سے سندھ میں شہری حالات بہتر ہیں تو اس کی تعریف ہونا چاہئیے اس کا غلط مطلب نہیں نکالنا چاہئیے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ حقائق سے گریز کی راہ اختیار کرتے ہیں اور حقیقتوں سے کبھی گریز نہیں کرنا چاہیے اسی طرح سے میں صدر مملکت کے حوالے سے نج کاری اور خود انحصاری کی اقتصادی پالیسی کا بحیثیت مجموعی تذکرہ کرنا چاہتا ہوں یہ تینوں پالیسیاں اپنے اپنے دائرہ کار میں مفید مطلب و نتائج پیدا کر سکتی ہیں اور کر رہی ہیں اس میں جو چیز سب سے زیادہ بنیادی نوعیت کی ہے کہ صرف زبان سے یہ کہنا کہ ہم نجکاری کی پالیسی پر عمل کر رہے ہیں۔ خود انحصاری ہمارا مقصد ہے اور نجکاری کی پالیسی فی نفسہ ایک بہتر پالیسی ہے اور خود انحصاری کی پالیسی در اصل وہ پالیسی ہے جو اس سے پہلے کبھی اپنائی نہیں گئی اور اسی طرح سے اقتصادی اصلاحات کے شعبے میں بھی کام ہو رہا ہے لیکن جو بات کہنے کی ہے وہ یہ ہے کہ صرف پالیسی بنانا ہی کوئی بنیادی کام نہیں، پالیسی کو صحیح خطوط پر ترتیب دینا، نئی جہت اور صحت مند جہت دینا بھی ایک ضروری امر ہے اور اسکا بھی پوری طرح سے لحاظ ہونا چاہئیے کیونکہ اس بارے میں جن شکوک و شبہات کا اظہار کیا جا رہا ہے ان کی جانب مجھے توقع ہے اور امید ہے کہ حکومت اس کا خاص طور پر خیال رکھے گی۔ آپ کو یاد ہو گا کہ ایک زمانے میں نیشنلائزیشن کے نام پر جو

کلہاڑا چلایا گیا تھا اس سے جو قومی معیشت کو نقصان پہنچا وہ اب روز روشن کی طرح عیاں ہے نیشنلائزیشن کی ایک صحیح اور اچھی پالیسی تھی لیکن نیشنلائزیشن کے نام پر جو ذاتی مفادات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس سے یہ پالیسی تو خراب نہیں ہوئی اس کے اثرات ضرور خراب ہوئے میں یہی بات نجکاری اور خود انحصاری کی پالیسی کے بارے میں بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اس بارے میں خاص طور پر خیال رکھنا چاہئیے اور اسی حوالے سے خود صدر پاکستان نے اپنے خطاب میں افراط زر اور مہنگائی کا ذکر کیا ہے واقعہ یہ ہے کہ تمام کوششوں کے باوجود افراط زر کی شرح بڑھی ہے اور مہنگائی میں اضافہ ہوا ہے ساری باتیں اچھی ہیں لیکن اگر عوام کو سکون نہ ملے عوام کی معیشت بوجھ کا شکار رہے لوگوں کو آزادی کی نعمت حاصل نہ ہو تو پھر ایسی حکومت کی خوبیوں کے باوجود یہ بھی کہا جانا چاہئیے کہ افراط زر اور مہنگائی کے مسئلے پر غور ہونا چاہئیے اور یہی بات میں رشوت کی بہتات کے حوالے سے بھی کہنا چاہتا ہوں کہ رشوت کا بازار بھی خاص طور پر گرم ہے اور بڑے افسوس کے ساتھ یہ بات کہنا پڑتی ہے کہ اس میں ہماری سول اور ملٹری بیوروکریسی کے افراد خاص طور پر شامل ہیں گزشتہ دنوں ایک اخبار میں یہاں تک لکھا ہے کہ اب رشوت جو ہے وہ بانڈز کی صورت میں اور بیئرر زسرٹیفیکیٹس کی صورت میں وصول کی جارہی ہے۔ اور اس طرح سے رشوت کا بازار گرم کر کے راتوں رات زیادہ سے زیادہ سرمایہ کمانے کا جو رجحان پیدا ہو گیا ہے اسے دور کرنا ضروری ہے۔ یہی بات خود صدر مملکت نے بھی اپنی تقریر میں کہی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کی تقریر کے اس حصے پر پوری طرح سے توجہ دینی چاہئیے۔ اور جب یہ بات ہو رہی ہے تو میں کوآپریٹو سکینڈل کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

اس کوآپریٹو سکینڈل سے جو پوری دنیا میں ہماری بدنامی ہوئی ہے اس کے ازالے کے لئے صرف یہ کافی نہیں کہ ایک کمیشن بنادیا جائے۔ کمیشن تو بنتے رہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اس کوآپریٹو سکینڈل کے ذریعے سے غریب عوام کا جو پیسہ لوٹا گیا ہے اس کا ازالہ ہونا چاہئیے اور جب میں یہ بات کہتا ہوں تو مجھے کراچی میں ہونے والی اس نوعیت کی دھاندلیوں کا بھی

تذکرہ کرنا چاہئیے کہ جس کے بارے میں اظہار خیال تو کیا گیا لیکن اس سلسلے میں اب تک کوئی ٹھوس کارروائی نہیں کی گئی۔ کراچی اور سندھ میں کواپریٹو سکینڈل کی نوعیت کے دو واقعات ہوئے ہیں۔ اور جو جعلی فنانس کمپنیاں بنی ہیں اور جس طرح سے غریب عوام کا سرمایہ لوٹا گیا ہے۔ یہ بھی میں سمجھتا ہوں کہ پنجاب کواپریٹو سکینڈل سے بڑا سکینڈل ہے اور اگر آپ پنجاب کواپریٹو سکینڈل کی بات کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں کمیشن بنا رہے ہیں تو کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ اسی قسم کا کمیشن سندھ میں بھی قائم کیا جائے اور وہاں جو لوگوں کے کروڑوں اور لاکھوں روپے لوٹے گئے ہیں دونوں ہاتھوں سے اس کی وصولیابی کا بھی کوئی طریقہ اختیار ہونا چاہئیے۔ اور میں یہ بات پوری ذمہ داری سے ارباب حکومت سے کہنا چاہتا ہوں کہ پورے سندھ میں جو جعلی فنانس کمپنیاں ہیں جو دھوکہ دے کر لوگوں کے اربوں روپے لوٹے گئے ہیں ان کی واپسی کو بھی اتنی ہی اہمیت دینا چاہئیے کہ جتنی اہمیت بظاہر پنجاب میں کواپریٹو سکینڈل کو دی جارہی ہے۔ اسی طرح سے میں خارجہ پالیسی، صنعتی پالیسی اور صحت کی پالیسی کا بھی ذکر کرنا چاہوں گا۔

فاضل مقرر جو مجھ سے پہلے تقریر کر رہے تھے، انہوں نے خارجہ پالیسی پر سیر حاصل گفتگو کی ہے انہوں نے کشمیر کے حوالے سے جو کچھ کہا ہے وہ خاصا وزن رکھتا ہے۔ اسی طرح سے صنعتی پالیسی اور صحت کی پالیسی کے بارے میں اور تعلیمی پالیسی کے بارے میں بھی دیکھنا چاہئیے کہ کیا ہم واقعی صحیح سمت میں، صحیح انداز میں کام کر رہے ہیں۔ ہمارے ہاں، اگر غور سے دیکھا جائے، جنہوں نے بجٹ دیکھا ہے اور اس کا اندازہ کیا ہے کہ صحت کے شعبے میں تعلیم کے شعبے میں جو خرچ ہونا چاہیئے وہ خرچ نہیں ہو رہا۔ ہمارے ملک میں تعلیم اور صحت کا جو معیار ہے وہ ہرگز قابل بھروسہ قابل اعتماد نہیں ہے قابل اطمینان نہیں۔ اور جو قومیں اپنے ہاں صد فی صد تعلیم لانے کی کوشش نہیں کرتیں جہاں لوگوں کو صحت کی مروجہ سہولتیں فراہم نہیں ہیں ایسے ملکوں میں لوگوں کو اگر صحت کے بارے میں شکایت پیدا ہو تو یہ شکایت سراسر جائز ہو گی۔

ابھی کراچی کے اخبارات میں لگاتار جامعہ کراچی کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا ذکر ہوا۔ اس سلسلے میں ابھی تک وفاقی حکومت کی جانب سے کوئی مثبت نتیجہ یا مثبت اعلان دیکھنے میں نہیں آیا۔ جامعہ کراچی پاکستان کی سب سے بڑی جامعہ ہے۔ وہاں پر پڑھانے والے بھی نہایت ہی واجب الاحترام اور قابل ہیں۔ اور پورے پاکستان کے لوگ آکر اس جامعہ میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ بیرونی دنیا سے بھی لوگ آکر جامعہ کراچی میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ایسے ادارے کو دوسری جامعات کے مقابلے میں نظر انداز کرنا یا کم درجہ دینا کوئی اچھی صحت مند پالیسی نہیں ہے۔ اور میں توقع کرتا ہوں کہ حکومت اس بارے میں خاص طور پر توجہ دے گی۔

میرے دوست راجہ ظفر الحق نے سمرقند و بخارا کا بھی ذکر کیا، سینٹرل ایشین ریبلکس کا۔ سینٹرل ایشین ریپبلکس کی فیڈریشن کی بات ۱۸۸۹ء میں جمال الدین افغانی نے بھی کی تھی۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سینٹرل ایشین ریپبلکس کے قیام کا مسئلہ ہمیشہ سے ہمارے عظیم دانشوروں مفکروں کا مطمع نظر رہا ہے۔ اور اگر اس سلسلے میں ہماری حکومت نے بروقت کارروائی نہ کی تو اس کی جو وجہ بھی راجہ ظفر الحق نے بتائی ہے وہ ٹھیک ہو سکتی ہے۔ لیکن سینٹرل ایشین ریپبلکس کے ساتھ ہمارا جو تعلق ہے وہ بھارت کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ اور اگر سینٹرل ایشین ریپبلکس کے بارے میں ہمارا رویہ بھارت سے بہتر ہوتا تو یہ زیادہ بہتر بات ہوتی۔ بہر حال یہ بات بھی قابل پذیرائی ہے کہ ہمارے ایک وزیر مملکت نے وہاں کا دورہ کیا وہاں کے لوگوں سے ملے اور سینٹرل ایشین ریپبلکس میں سات مسلمان ریپبلکس شامل ہیں۔ اور ان میں سے بعض کے سربراہوں کو پاکستان آنے کی دعوت دی گئی ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ جب یہ سربراہان پاکستان تشریف لائیں گے تو اس کے انشاء اللہ تعالیٰ بہتر نتائج برآمد ہوں گے۔ صدر مملکت نے اپنی تقریر میں احتساب کے عمل کو تیز کرنے کی بات کی ہے اور ہارس ٹریڈنگ کی بات کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہارس ٹریڈنگ سے ہماری جمہوریت کو بھی نقصان پہنچا ہے۔ ہماری

مملکت کو بھی نقصان پہنچا ہے۔ عالمی برادری میں ہمارے وقار کو بھی نقصان پہنچا ہے۔ اگر ماضی میں ہارس ٹریڈنگ کے حوالے سے کوئی بل پاس نہیں کیا گیا تو اس کی وجوہات ارباب اختیار زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں۔ لیکن بحیثیت مجموعی میں سمجھتا ہوں کہ صدر مملکت نے اس سلسلے میں جو مشورہ دیا ہے وہ قابل قدر، قابل غور اور قابل پذیرائی اور قابل عمل ہے۔ احتساب کے عمل کو ایک مسلسل عمل کا درجہ دیا جانا چاہیے اور ہاؤس ٹریڈنگ کو روکنے کے لئے موثر اور مثبت اقدامات ہونے چاہئیں۔ تاکہ ہماری سیاست میں جو یہ ہارس ٹریڈنگ کا رحجان پیدا ہو چکا ہے۔ جس نے ماضی میں بھی ہمیں بڑا نقصان پہنچایا اور آج بھی ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں بھی کسی نہ کسی مثبت کارروائی کی ضرورت ہے۔ آخر میں میں جناب یحییٰ بختیار کی تقریر کے آخری حصے کا حوالہ دوں گا۔ جہاں انہوں نے قائد اعظم کا ذکر کیا تھا۔ قائد اعظم ہم سب کے واجب الاحترام قائد تھے۔ ہم سب کے لیڈر تھے۔ ہم سب نے ان کی قیادت میں متحدہ طور پر جدوجہد کر کے یہ ملک حاصل کیا تھا وہ ایک ایماندار اور بااصول سیاستدان تھے۔ اور ان کی نجی زندگی بھی ان کی سیاسی زندگی کی طرح ہر قسم کے عیب سے پاک تھی۔ اسی طرح سے ہماری قومی زندگی میں میں سمجھتا ہوں کہ مولانا حسرت موہانی کے کردار کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئیے کہ وہ ہماری تاریخ کے سب سے بڑے حق پرست تھے اور سید سلیمان ندوی نے کہا ہے کہ سیاست کوئلے کی دلالی ہے۔ اس میں صرف ایک حسرت موہانی تھے جس کا دامن کبھی داغدار نہیں ہوا۔

اسی طرح سے میں اس موقع پر ایک اور بااصول سیاستدان کا ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ جنہوں نے ایک طبقے کو قیادت فراہم کر کے اس ملک میں ایک نئی انتخابی روایت ڈالی ہے۔ میری مراد قائد تحریک، الطاف حسین سے ہے۔ یہ سب ہمارے لئے واجب الاحترام ہیں ہمارے ملک میں جو بھی غریبوں کی بات کرتا ہے۔ جو بھی غریبوں کی خوشحالی کی بات کرتا ہے۔ وہ سب واجب الاحترام ہیں اور ہمارے ہاں جو بھی اصولی سیاست کرتا ہے جو اپنے مفاد کو قربان کر کے بحیثیت مجموعی قومی مفاد کا خیال رکھتا ہے۔ وہ سب ہمارے لئے قابل احترام

ہیں۔اور ہمیں اس سلسلے میں ان کی خدمات کو برابریاد رکھنا چاہئیے۔صدر مملکت کی تقریر میں سمجھتا ہوں کہ بحیثیت مجموعی ایک نہایت مثبت تقریر تھی ایک بیلنسڈ تقریر تھی اس میں حکومتی پالیسیوں کے اچھے اقدامات کی جہاں پذیرائی کی گئی تھی وہاں خامیوں کی طرف بھی نشاندہی کی گئی تھی اور ہمیں جب ان کی تقریر پر گفتگو کرنا ہے تو اس سلسلے میں ہمیں تمام پہلوؤں کا جائزہ لینا چاہئیے۔اور اگر صدر مملکت کی تقریر پر بحث کے حوالے سے سینٹ میں بحیثیت مجموعی تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک مثبت بات ہوگی اور ایک مثبت کارروائی ہوگی۔اور اس مثبت کارروائی کا سلسلہ سال بسال جاری رہنا چاہئیے۔اور اس سلسلے میں صدر مملکت کی ذات کو متنازع بنانے کی بجائے ان کی تقریر میں جو کچھ بھی اچھی باتیں کہی گئی ہیں جو بھی مشورے دیئے گئے ہیں ان پر بنظر غائر غور کرنا چاہئیے۔اور اپنے حالات اپنی قومی سیاست کو بہتر بنانا چاہئیے۔اگر ہم یہ کریں گے تو ہم صدر مملکت کے ساتھ بھی انصاف کریں گے اور ملک وملت کے ساتھ بھی انصاف کریں گے شکریہ۔

POINT OF ORDER
RE: LEVELING ALTAF HUSSAIN WITH PERSONALITY OF QUAID-I-AZAM MOHAMMAD ALI JINNAH

سید اقبال حیدر: پوائنٹ آف آرڈر، جناب چیئرمین میں دوران تقریر مداخلت نہیں کرنا چاہتا نہ میں اس بات کا قائل ہوں کہ دوران تقریر بار بار مداخلت کی جائے لیکن اس ایوان میں ایک اتنا بڑا واقعہ ہوا کہ میں اسے نظر انداز نہیں کر سکتا قائداعظم کو کسی بھی موجودہ شخصیت کے برابر نہیں ٹھہرایا جا سکتا یہ قائداعظم کی توہین ہے جو اس ایوان میں ہم برداشت نہیں کریں گے یہ کہنا کہ قائداعظم ایک عظیم شخصیت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ کہنا اسی طرح میں محترم الطاف حسین کو ان کے ساتھ ملانا جن کی ذات کے بارے میں تاریخ گواہی دے گی کہ قائداعظم کے پاکستان کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والی شخصیت کو قائداعظم کے برابر میں لانا اس ایوان میں قائداعظم کی توہین ہے میں اس کے

اوپر شدید اعتراض کرتا ہوں اور محترم جناب چیئر مین میں امید کرتا ہوں کہ ہ قائداعظم کی شخصیت کو اتنا نیچا گرانا یا ان کی بے عزتی یا توہین نہیں کریں گے اپنے قائد الطاف حسین کے بارے میں وہ خود جو جذبات رکھتے ہیں مجھے اعتراض نہیں ہے لیکن اپنے کو قائداعظم کے برابر میں لانا ہمارے لئے نا قابل برداشت ہے۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: شکریہ اقبال حیدر صاحب، ان کی اپنی رائے ہے لیکن قائد اعظم کے برابر کوئی شخصیت پاکستان کی سیاست میں نہیں ہو سکتی یہ میری رائے ہے شکریہ۔

سید اقبال حیدر: جناب آپ یہ الفاظ حذف کروائیں۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: میں نے آپ کو کہہ دیا کہ قائداعظم کے برابر میں کسی کی position ہماری سیاست میں نہیں ہو سکتی اور ان کی اپنی رائے ہے۔

(Interruption)

Mr. Presiding Officer : I don't want that it should go to the discussions.

سید اشتیاق اظہر: جناب والا! میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے قائداعظم کی قیادت میں کام کرنے کا فخر حاصل ہوا ہے میں نے ان کی پیروی کی ہے میں نے ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی ہے اور ان کی تحریک پاکستان میں حصہ لیا ہے جو کردار جناب اقبال حیدر صاحب نے ادا نہیں کیا ہے میں اپنے قائد کو جس کی قیادت میں میں نے کام کیا ہے کس طرح سے کسی کے برابر لانا چاہتا ہوں یہاں جو تذکرہ ہوا وہ قدم بہ قدم ذکر ہوا ہے۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: شکریہ۔

You were very clear. Thank you very much.

جناب عبدالخالق خان۔

جناب عبدالخالق خان: جناب چیئر مین! میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے بھی صدر محترم کے خطاب پر بات کرنے کا موقع دیا ہے چونکہ صدر محترم نے اپنے خطاب میں

ملک کے اور قوم کے تقریباً سب مسائل پر اپنے زریں خیالات کا اظہار کیا ہے تو یہ ہماری تقاریر میں ناممکن ہے کہ ہم ان تمام موصوعات کا احاطہ کریں اور یہ بھی مجھے احساس ہے کہ اس معزز ایوان کا وقت انتہائی قیمتی ہے اور اس ڈیبیٹ میں میرے علاوہ بہت سے اکثر ہمارے معزز اراکین جو ہیں وہ بولنے کا ارادہ رکھتے ہیں لہٰذا میں اپنے آپ کو چند ایک ان نکات تک محدود کروں گا جن کی اہمیت میرے خیال میں مقابلتاً زیادہ ہے جناب چیئرمین صدر صاحب نے سب سے پہلے صوبائی خود مختاری کا مسئلہ جو ہے اس پر انہوں نے روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے صفحہ ۱۳ پر فرمایا ہے کہ یہ پاکستان ایک وفاق ہے اور وفاقی نظام کو اسی صورت میں کامیابی کے ساتھ چلایا جا سکتا ہے جب تمام وفاقی اکائیوں کے آئینی حقوق کا تحفظ ہو اور کسی کو احساس محرومی نہ رہے جناب والا! مجھے ان سے پورا پورا اتفاق ہے یہ اکائیوں کے جو حقوق ہیں یہ ان کا جو احساس محرومی ہے اس پر خصوصیات کے ساتھ میں جس سیاسی تنظیم کے ساتھ تعلق رکھتا ہوں ہمیں اس پر بہت زیادہ مار پڑی ہے اب تو حالات بہت بدل گئے ہیں مگر ایک وقت تھا کہ صوبائی خود مختاری کے بارے میں بات کرنا ایسے ہی تھا کہ جیسے آپ سٹیٹ کے خلاف بات کر رہے ہیں اور فوراً سے بیشتر آپ کو غدار کا خطاب مل جاتا تھا۔

تو اس موضوع پر اب جو تبدیلی آئی ہے وہ بہت خوشگوار ہے میں اس کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرواوں گا کہ اس سے پہلے جب ایم آر ڈی کی تحریک چل رہی تھی تو اس مسئلے کو انہوں نے اس کی اہمیت کے مد نظر اس طریقے سے حل کرنے کی کوشش کی کہ چار سبجیکٹ مرکز کے پاس ہوں اور اس کے علاوہ باقی سارے اختیارات صوبوں کو دے دیئے جائیں یہاں بد قسمتی یہ ہے کہ جب لوگ اپوزیشن میں ہوتے ہیں تو بہت سی اچھی اچھی باتوں کی طرف ان کی توجہ ہوتی ہے مگر جب وہ خود مسند اقتدار پر بیٹھ جاتے ہیں تو پھر ان کی ترجیحات بدل جاتی ہیں اسی طرح ایم آر ڈی کے ان فیصلوں کے بعد ہمارے ملک کی بڑی پارٹیوں میں سے ایک جس کو ۱۸ مہینے موقع ملا کہ وہ ملک پر حکومت کریں مگر اس دوران میں

اس سلسلے میں انہوں نے کوئی بھی قدم نہیں اٹھایا جو کہ نہایت ہی افسوس کی بات ہے جناب والا! وحدتوں کو ان کا جائز مقام دینا ان کے بنیادی حقوق ان کو دینا یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ یہ ایک نہایت ہی اہم مسئلہ ہے کیوں کہ پہلے ہی ہمارا ملک ایک بار اسی ایشو پر ٹوٹ چکا ہے یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے جب آپ کا آدھا ملک آپ گنوائیں صرف ایک خصوصی مسئلے کی وجہ سے تو چاہئیے تو یہ تھا کہ ۱۹۷۱ء کے فوراً بعد پچھلے ۲۰ برسوں میں اس کے متعلق سب سے زیادہ توجہ دی جاتی اور کوشش کی جاتی کہ پھر دوبارہ وہ حالات پیدا نہ ہوں خدانخواستہ کہ جس کی وجہ سے ایک بار آپ کا ایک بازو جو ہے وہ آپ سے کٹ چکا ہے یہاں پر یہ ایک روایت ہے کہ جب کوئی بھی اچھی بات کسی طرف سے بھی کہی جائے تو اکثر اور بسا اوقات ہم نے دیکھا ہے اس کی مخالفت کی جاتی ہے لوگ ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے سیاسی پارٹیاں اور ان کے رہنما ان کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے مگر جب وہ نقصان ہو جاتا ہے جب ملک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ جاتا ہے تو اس کے بعد پھر سب chorus میں کہتے ہیں کہ ہاں یہ بات جو ہے ٹھیک ہے ہم نے...... ڈھاکہ کے فال کے بعد فوراً یہاں پارلیمنٹ ہاؤس میں، میں اس وقت قومی اسمبلی کا ممبر تھا مجھے یاد ہے کہ سب سیاسی تنظیموں کے رہنماؤں نے اس بات کو تسلیم کیا کہ بنگالیوں کے ساتھ زیادتی ہوتی رہی ان کے ساتھ بے انصافی ہوتی رہی ان کو اپنا حق نہیں دیا گیا مگر یہ بعد از وقت باتیں تھیں یعنی اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا کیوں کہ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا تھا۔

اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ آج بھی ہم دوبارہ بدقسمتی سے اسی ایک موڑ پر کھڑے ہیں کہ یا تو آپ کو یہ صوبائی خود مختاری کے مسئلے کو دوٹوک طریقے سے چاروں اکائیوں کی عوام کی مرضی کے مطابق آپ کو حل کرنا ہے اور اگر آپ اس کو اسی طریقے سے ٹالتے رہے تو ایک دفعہ آپ کا ملک ٹوٹ چکا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ ملک دوبارہ اسی ایشو کے اوپر نہیں ٹوٹ سکتا اس لئے میں یہ کہوں گا کہ آپ کے پڑوس میں ایک سپر پاوٗر جو ہے وہ اس مسئلے کی بنیاد پر کہ انہوں نے ۷۲ برس میں قومیتوں کا جو مسئلہ ہے اس کو خوش اسلوبی

سے انہوں نے فیصلہ نہیں کیا تو اسی واسطے اب ظاہر ہے جیسے ہی وہ ڈسپلن کا اور پابندیوں کا ایک ڈھکنا جو ہے وہ اٹھایا گیا تو ساری کی ساری قومیتیں جو ہیں انہوں نے اپنی اپنی راہ اختیار کی۔ آج یو ایس ایس آر ایک سپر پاور جو امریکہ کے مقابلے میں ایک قوت تھی اگر اس کا شیرازہ بکھر گیا ہے تو میں عرض کروں گا کہ اس کی بنیادی وجہ جو ہے وہ یہی ہے کہ وہاں پر انہوں نے قومیتوں کے مسئلے کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔ اگر آپ پاکستان کو مضبوط بنانا چاہتے ہیں اگر آپ کو پاکستان کی بقاء اور سالمیت عزیز ہے تو اس کے لئے بھی ضروری ہے آپ ان اکائیوں کو مطمئن کریں ان کے احساس محرومی کو دور کرنے کے لئے جو کچھ بھی آپ سے ہو سکتا ہے وہ کریں آج سندھ کے حالات بہت ہی مخدوش ہیں سندھ میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کو اس طریقے سے brush aside کرنا کہ یہ چونکہ سیاسی پارٹیوں کے درمیان محاذ آرائی ہے اس کی وجہ سے یہ مسئلہ اس حد تک پہنچ گیا ہے یہ غلط بات ہے وہاں احساس محرومیت ہے۔ وہاں ۴۵ برس میں عوام کے جو بنیادی حقوق ہیں ان کی طرف توجہ نہیں دی گئی اس وجہ سے ہے میں مانتا ہوں کہ اس میں سیاسی پارٹیوں کا بھی رول ہو گا مگر کچھ سیاسی فیکٹر تھے جن سے سیاسی پارٹیوں کو موقع ملا کہ وہ سیاسی طور پر اس کو ایکسپلائٹ کریں اگر آج بھی ہم نے اپنے ماضی سے سبق نہیں سیکھا۔ میں عرض کروں گا کہ عقلمند لوگ جو ہوتے ہیں وہ دوسروں کی غلطیوں سے سبق سیکھتے ہیں ہم ایسے بدقسمت ہیں کہ اپنی غلطیوں سے بھی کوئی سبق نہیں سیکھ رہے تو اب بھی اگر ہم بضد ہیں کہ نہیں سب کچھ ٹھیک ہے اور کوئی خطرہ نہیں ہے کوئی ایسی ایمرجنسی نہیں ہے تو پھر ہمیں ہر وقت تیار رہنا چاہیئے کہ آپ کا یہ بچا کچا پاکستان جو ہے اس کو بھی آپ کی وجہ سے آپ کی برکت سے آپ کی اس لاپرواہی کی وجہ سے پھر آپ اس پر بضد ہیں کہ آپ دنیا کے نقشے سے اس کا نام و نشان مٹا دیں تو میرے خیال میں اس سے زیادہ موثر حربہ کوئی آپ کے پاس نہیں ہے کہ آپ قومیتوں کے مسئلے سے منہ موڑیں۔

یہ صوبائی خود مختاری کا مسئلہ جو ہے میرے پنجاب میں بہت سے دوست ہیں سا ست کے حوالے سے مجھے خوشی ہے کہ ان سے رابطے کا موقع ملتا رہتا ہے وہ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ خان صاحب آپ کو کتنی صوبائی خود مختاری چاہیئے میں اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کہ یہ وہ چار نکات ہیں اور مرکز کو یہ سبجیکٹ دیں میں سیدھے سیدھے طریقے سے ان سے یہ عرض کرتا ہوں کہ جب موجودہ وزیراعظم صاحب جب وہ پنجاب کے چیف منسٹر تھے وہ پنجاب کے لئے جتنی صوبائی خوج مختاری چاہتے تھے ہم اسی پر اکتفا کریں گے ہمیں نہ اس سے زیادہ چاہیئے نہ اس سے کم۔ چیف منسٹر کی حیثیت سے وہ خود پنجاب کے لئے جو خود مختاری چاہتے تھے وہ ہمارے لئے کافی ہے۔

اس کے بعد دوسرا پوائنٹ جس کو صدر صاحب نے اپنے خطاب میں بجا طور پر مقام دیا ہے وہ ہماری فارن پالیسی ہے۔ ہمارے ایک معزز دوست فارن پالیسی پر بہت کچھ کہہ گئے ہیں مجھے ان سے اتفاق ہے اس فارن پالیسی کے ضمن میں میں یہ عرض کروں کہ ہمیں بار بار ماضی کی طرف جانا پڑتا ہے ماضی میں آپ کی فارن پالیسی کیا تھی آپ کی فارن پالیسی ہمیشہ امریکہ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے آپ نے اپنے قومی مفادات کو امریکہ کے مفادات کے تابع کیا آپ کو میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ہماری فارن پالیسی کی تشکیل واشنگٹن میں ہوتی تھی وہاں سے ہمیں ڈکٹیشن ملتی تھی اور ہم بے بس تھے اور ہم میں اتنی جان نہیں تھی کہ ہم اپنے قومی مفادات کے لئے کوئی سٹینڈ لے سکیں اور امریکہ نے ہمیں پچھلے ۴۵ برس میں جس بیدردی سے استعمال کیا اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی مگر مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ ہم اس طریقے سے جاکر امریکہ کی جھولی میں بیٹھ گئے اور یہاں ہم اپنے عوام کو خوشخبریاں دیتے رہے کہ امریکہ ہمارا بہت بڑا دوست ہے حالانکہ جب بھی ہم پر کبھی سخت وقت پڑا جب بھی کوئی آزمائش کی گھڑی آئی تو امریکہ نے ہم سے منہ موڑ لیا حتیٰ کہ ۷۱ء میں جب آپ کا ملک ٹوٹ رہا تھا تو صرف یہ نہیں کہ امریکہ نے آپ سے منہ موڑ لیا وہ آپ کا ملک توڑنے کی سازش میں برابر کے شریک تھے مگر اس کے بعد بھی یہاں پر حکومتوں نے

مسلسل فارن پالیسی میں وہی راہ اپنائی ہمیشہ یہاں پارلیمنٹ میں یہ کہا گیا کہ ہماری فارن پالیسی کا کارنر سٹون جو ہے وہ امریکہ کی خوشنودی ہے۔ جناب میں آپ کو عرض کروں گا کہ امریکہ قطعاً ہم سے نہ دوستی کرنا چاہتا ہے اور نہ کبھی اس نے ہم سے دوستی کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے اگر وہ دوستی کرنا چاہتا تھا تو وہ روس سے کر لیتا یا کوئی دوسری پاور سے جو اس کے خیال میں اس قابل تھی کہ اس کے ساتھ دوستی کی جائے ہماری تو ان کے کھاتے میں غلاموں کی سی حیثیت تھی اور ہم کو انہوں نے غلاموں کی طرح ٹریٹ کیا میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ماضی میں کسی حکومت نے بھی قومی مفادات کے لئے کبھی بھی ڈٹ کر اس غلط رجحان کا مقابلہ نہیں کیا آج تھوڑی سی روشنی کی کرن نظر آئی ہے۔ پہلی مرتبہ ہمارے موجودہ صدر محترم جو ہیں نیوکلیئر ایشو پر وہ امریکہ کے سامنے ڈٹ گئے ہیں۔

میری خواہش ہے کہ اس موضوع پر عوام کو زیادہ سے زیادہ ایجوکیٹ کیا جائے جو کہ نہیں کیا جا رہا ہے۔ امریکہ نے حسب سابق اپنا ایک ایلچی اسلام آباد میں بھیجا اور ان کا خیال تھا کہ میرے پہنچنے کے ساتھ ہی میں کہوں گا کہ آپ کا نیوکلیئر انرجی کا جو مسئلہ ہے اسے آپ ختم کریں ہم اس سے خوش نہیں ہیں اور یہ آمنا صدقنا کریں گے اور انگوٹھا لگا دیں گے ان کو بہت بڑی مایوسی ہوئی وہ صدر محترم سے ملے وہ پرائم منسٹر سے ملے وہ چیف آف آرمی سٹاف سے ملے اور ہم ان کے شکر گزار ہیں کہ ان تینوں نے ان کو جواب دیا کہ وہ اپنے قومی مفادات پر کسی صورت میں سودا بازی نہیں کریں گے تو یہ ایک عجیب بات ہے کہ اسی دن سے جس دن سے صدر محترم نے نیوکلیئر ایشو پر سٹینڈ لیا ہے اسی دن سے یہاں پاکستان کے اندر ان کی مخالفت میں شدید اضافہ ہوا ہے ان کی ذات کو ڈائریکٹلی ٹارگٹ بنا کر ان کی مخالفت کی جاتی رہی ہے تو میں کہتا ہوں کہ ہمیں اس کا یہ پہلو مدنظر رکھنا چاہئیے اور پھر اس پر غور کرنا چاہئیے کہ آخر کون سے وجوہات ہیں یہی صدر محترم ہیں جب یہ الیکشن ہو رہا تھا صدر کا تو اسی اپوزیشن کے ووٹوں سے یہ صدر مملکت بنے ہیں میں یہ بات آپ سے اور معزز اراکین سے نہیں چھپاؤں گا کہ میری پارٹی نے اس کو ووٹ نہیں دیا مگر پیپلز پارٹی کی محترمہ

بے نظیر صاحبہ نے اپنی پارٹی کو حکم دیا اور خفیہ رائے شماری میں اس کو اس مقام پر پہنچایا تو وہی غلام اسحاق خان ہیں ان کا ماضی بھی وہی ہے ان کی کوالیفیکیشن بھی وہی ہیں۔ اب کیا بات ایسی ہو گئی ہے اور کون سی ایسی تبدیلی رونما ہو چکی ہے کہ وہ ہاتھ دھو کر صدر محترم کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ جناب صدر محترم اگر اتنے ہی برے تھے تو پھر آپ نے اپنی پارٹی کے ووٹوں سے اس ملک کے سب سے اونچے منصب پر کیوں بٹھایا یہ تو نہیں ہو سکتا کہ آج میں کہوں گا کہ یہ شخص جو ہے یہ سب سے زیادہ کوالیفائیڈ سب سے زیادہ اہل اور سب سے زیادہ اچھا انسان ہے اس کو اس ملک کی سب سے اونچی کرسی پر بیٹھنے کا حق ہے کل پھر میں لوگوں کو کہوں کہ نہیں جی یہ آدمی تو بڑا گیا گزرا ہے۔ اس کو تو ایک پل کے لئے بھی اس کرسی پر بیٹھنے کا حق نہیں دینا چاہئیے اور اس کرسی کی ٹانگ کھینچو اور اس کو نیچے گراؤ اور کسی دوسرے کو اس کی جگہ دو۔

یہ تو بچگانہ سیاست ہے اور جو لوگ سیاست کو سنجیدگی سے لیتے ہیں وہ قطعاً اس سے متاثر نہیں ہوں گے۔ جناب والا خارجہ پالیسی میں یہ جو نیا رحجان ہے میں اس لئے اس کو خوش آمدید کہتا ہوں کہ اگر ہم صدر محترم کی اور موجودہ حکومت کی حوصلہ افزائی نہیں کریں گے اگر ۴۵ برس کے بعد پہلی مرتبہ ان کو احساس ہوا ہے کہ ہمارے قومی مفادات کا تقاضا ہے کہ ہماری فارن پالیسی جو ہے وہ خالصتاً اپنے قومی مفادات کو مد نظر رکھ کر بنانی چاہئیے تو اس پر ہمیں ان کو مبارکباد دینی چاہئیے اور بحیثیت پارلیمنٹ کے ممبران کے ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ان سے بھرپور تعاون کریں ان کی حوصلہ افزائی کریں اور کوشش کریں کہ جس نئے راستے پر انہوں نے قدم رکھا ہے اس پر مضبوطی سے وہ آگے چل سکیں۔

جناب والا، خارجہ پالیسی کے بارے میں ایک دوسری جو انتہائی خوش آئند بات ہے کے متعلق عرض کرتا ہوں کہ وہ ہے افغان پالیسی میں تبدیلی۔ میں افغان پالیسی سے اس لئے زیادہ concerned feel کرتا ہوں کہ اس میں اس طرف بھی اور اس طرف بھی پچھلے ۱۳ سالوں میں صرف اور صرف افغان مارے گئے ہیں۔ جناب چیئرمین، آپ کو یاد ہو

گا کہ ہمیں جب آئی ایس آئی نے اس بارے میں بریفینگ دی تو انہوں نے کہا کہ لگ بھگ دو ملین لوگ جو ہیں وہ اس لڑائی میں مارے گئے ہیں۔ جناب یہ دو ملین لوگ مارے گئے ہیں یہ کون تھے۔ جناب یہ دو ملین لوگ مسلمان تھے یہ کوئی کفار نہیں تھے۔ یہ دو ملین لوگ جو ہیں یہ ہمارے ایک پسماندہ پڑوسی مسلمان ملک کے باشندے تھے۔ ہم نے دو ملین لوگوں کو مروا کر اور افغانستان کو اقتصادی طور پر بالکل تباہ کر کے، میں نہیں سمجھتا کہ ہم نے کوئی کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ جہاں تک مہاجروں کی امداد کا تعلق ہے تو بسر و چشم اگر کسی کو اپنے ملک میں تکلیف ہو اور آپ کے وسائل ہوں تو پھر آپ خالصتاً انسانی ناطے سے یا مسلمان ہونے کے ناطے سے آپ ان کی مشکلات میں کمی کرنا چاہتے ہیں، ان کو پناہ دینا چاہتے ہیں، ان کو اپنے ملک میں رکھنا چاہتے ہیں، ان کو کوئی سہولت دینا چاہتے ہیں، دیں، یہ بڑی اچھی بات ہے اگر آپ ایسا کر سکتے ہیں تو کریں مگر جناب یہ تو مہاجر نہیں تھے یہ لوگ آپ کے ہاں ۲۵/ لاکھ بیٹھے ہوئے ہیں ان کو تو آپ کے یہاں کے لوکل لوگوں سے ۱۰ گنا زیادہ مراعات حاصل ہیں۔

جناب والا، مجھے معلوم ہے اور میں جانتا ہوں، جناب میرا گاؤں شہر سے کوئی چار میل دور واقع ہے۔ روزانہ جب لوگ اپنے کاموں کے سلسلے میں شہر کی طرف آتے ہیں تو قدم قدم پر پولیس ان کی تلاشی لیتی ہے، ان کی جیبیں دیکھتی ہے اور اگر ان کے پاس چھوٹا ایک چاقو بھی نکل آئے تو ان لوگوں کے سر پر مصیبت آجاتی ہے۔ مگر یہ جو مہاجر لوگ ہیں مجھے بتائیں کہ بیسویں صدی کا کون سا sophisticated weapon ہے جو ان کے پاس موجود نہیں ہے اور وہ اس کو لے کر دندناتے پھرتے ہیں۔ وہ اسے لے کر شہروں میں پھرتے ہیں، بازاروں میں پھرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ آپ کے اسلام آباد میں آتے ہیں، میں نے خود دیکھا ہے کہ گل بدین حکمت یار کے ساتھ کوئی بیس مسلح گاڑیاں ہوتی ہیں اور ان کے پاس ایسا اسلحہ ہوتا ہے جو کہ ہم نے عمر بھر نہیں دیکھا ہے۔ اس لئے ان لوگوں کو مہاجر کہنا جو تھا یہ درست نہیں تھا یہ غلط ہے۔

پاکستان کی حکومت نے اب اس بات کا احساس کیا ہے کہ جنگ سے افغانستان کے مسئلہ کا حل ممکن نہیں ہے اور ہم یہ بات پچھلے تیرہ برسوں سے چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے۔ ہم کہتے رہے کہ یہ مسئلہ جو ہے یہ صلح سے، امن سے، بات چیت، ڈائیلاگ کے ذریعہ سے آپ اس کو حل کر سکتے ہیں لیکن کوئی دوسرا طریقہ اس کے حل کے لئے نہیں ہے مگر ہماری حکومت اس بات پر مصر تھی کہ نہیں جناب اس کو جنگ کے ذریعے سے ہی حل کرنا ہے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ بڑی افسوس کی بات ہے ۲۰ لاکھ مسلمانوں کو مروا کے اس کے بعد اب آپ کہتے ہیں کہ ہاں، جو بات ہم تیرہ برس پہلے کہہ رہے تھے وہ درست ہے اور ہماری سمجھ میں اب یہ بات آئی ہے کہ یہ مسئلہ جنگ کے ذریعہ سے نہیں بلکہ بات چیت کے ذریعہ سے حل ہو سکتا ہے۔

جناب والا، اس سلسلے میں جو انتہائی ضروری عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ پاکستان کی گورنمنٹ نے ایک نئی راہ جو ہے یہ متعین کرلی ہے اور ہم اس کو appreciate کرتے ہیں اس کے لئے یہ مبارک باد کے مستحق ہیں مگر جو آپ نے یہاں ۳۲ لاکھ لوگ بٹھائے ہوئے ہیں ان کے لیڈر کہتے ہیں کہ ہم اس کو نہیں مانتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم یہ جنگ جاری رکھیں گے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ جب تک ہم کابل کے تخت پر نہیں بیٹھ جاتے تب تک یہ جنگ جاری رکھی جائے گی۔ یہ تو جناب اس طرح وہ کھلم کھلا آپ کی sovereignty کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے بھی آپ نے ان کو یہاں پر بٹھایا ہوا ہے اور ان کو پالا ہے، ان کو ہر قسم کی سہولیتں دی ہیں یہ الگ بات ہے مگر آج تک جو جنگ انہوں نے لڑی ہے میں کہتا ہوں کہ وہ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ چھ ماہ سے زیادہ وہ افغان حکومت کے ساتھ جنگ لڑ سکتے، اگر پاکستان یہ غلطی نہ کرتا کہ اپنا بارڈر جو ہے یہ تخریب کاری کے لئے ان لوگوں کے حوالے نہ کرتا۔

جناب والا، میرا تعلق چونکہ صوبہ سرحد سے ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ وہاں پر ایسے اڈے موجود ہیں کہ جہاں پر ان کو تخریب کاری کی تربیت دی جاتی ہے، اور ان کو اسلحہ

دیا جاتا تھا، ان کو پیسہ دیا جاتا تھا اس کے بعد ان کو اس پار دھکیل دیا جاتا تھا۔ اس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہاں پر جوان کے اپنے بھائی ہیں، ان کا گلہ کاٹیں۔ اس طرح یہ جو بیس لاکھ افغان مارے گئے ہیں اس کا کریڈیٹ بھی ہمارے سر جاتا ہے اور ٹنوں کے حساب سے یہ جو اسلحہ روزانہ جاتا تھا، اگر آپ اپنا بارڈر اس ناپاک مقصد کے لئے ان کے حوالے نہ کرتے تو ناممکن تھا کہ وہ اس اسلحہ کے بغیر ۱۳ برس تک افغانستان میں تخریب کاری کرتے اور وہاں تباہی مچاتے۔ بہر حال اب بھی وقت آ گیا ہے کہ پاکستان کی حکومت دوٹوک الفاظ میں کہے کہ آپ اب اپنے ملک میں جائیں وہاں پر جا کر آپ نے جو کچھ بھی کرنا ہے وہ کریں۔

جناب والا، ہم ویسے تو کہتے ہیں کہ یہ افغانوں کا مسئلہ ہے اور کسی کو اس میں دخل اندازی کا حق نہیں دیتے ہیں مگر یہ دوغلی پالیسی ہے۔ یہ صرف زبانی اور خالی باتیں ہیں مگر درحقیقت عملی طور پر ہم کیا کر رہے ہیں۔ ۱۳ برس میں یہاں جو بھی مقتدر شخصیات رہی ہیں انہوں نے یہی کہا کہ ان کے ساتھ انسانی ناطے اور اسلامی برادری کی حیثیت سے، اس جذبے سے، ہمدردی تھی مگر درحقیقت افغانستان کی لڑائی ہم لڑ رہے تھے۔ جیسے میرے دوست محترم گچکی صاحب نے کہا کہ آپ کی آرمڈ فورسز کے personnel جو ہیں، آپ کی ملیشیا جو ہے وہ افغانستان کی حدود میں بیٹھی ہوئی ہے۔ جلال آباد کے اوپر جو بڑا تاریخی معرکہ ہوا، اس وقت جلال آباد سے ۲۰ میل ادھر، ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر پلاننگ کرتے رہے۔ سارا کچھ اس وقت کن کے کنٹرول میں تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کے باوجود بھی ان کو وہاں پر شکست فاش ہوئی۔ تو جب تک ہم اس دوغلی پالیسی سے چھٹکارا حاصل نہیں کریں گے اس وقت تک ہم اس سلسلے میں کوئی پیش رفت نہیں کر سکیں گے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اس پر سوچیں۔

جناب والا، گل بدین حکمت یار کون ہوتا ہے جو ہمارے لئے فارن پالیسی بنائے جناب یہ ایک عام لٹیرا تھا، جو راستوں میں لوگوں کو لوٹا کرتا تھا، اس کو بھٹو صاحب مہربانی کر کے سردار داؤد کے سامنے لائے، اس کے خلاف اس کو استعمال کرنے کے لئے لائے، اس مقصد

کے لئے اس کو پیسہ دیا، اسلحہ دیا تاکہ وہ افغانستان میں تخریب کاری کرے۔ اور جناب آج ہم اتنے بے بس ہو گئے ہیں کہ اس قسم کے لوگ جو ہیں یہ برملا کہہ رہے ہیں کہ جو آپ فیصلہ کریں، یونائیٹڈ نیشن فیصلہ کرے، امریکہ اور روس فیصلہ کرے، بے شک کریں مگر یہ فیصلہ مجھے قبول نہیں ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ اس کو دھکے دے کر آپ یہاں سے افغانستان میں پہنچائیں پھر میں دیکھتا ہوں کہ یہ وہاں پر اس قسم کی باتیں کیسے کرتا ہے۔ جناب والا، اسے معلوم ہے کہ باوجود کچھ تبدیلیوں کے اب بھی حکومت پاکستان اس بات کے لئے تیار نہیں ہے کہ اس کے ساتھ اس قسم کا سلوک کرے جس قسم کا سلوک ایک آزاد اور خود مختار ملک کے لئے لازمی ہے۔

جناب والا، یہ باتیں میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ کچھ دوستوں نے اپنی تقریروں میں کہا کہ اس مسئلہ میں ہمیں کوئی جلدی نہیں کرنی چاہئیے جہاں آپ نے اتنی مدت رکھا ہے وہاں اور بھی رکھ لیں۔ مگر جناب والا، میں کہتا ہوں کہ ۳۲ لاکھ مہاجر جو ہیں یہ تو ہماری گردن پر بیٹھے ہوئے ہیں کیا پاکستان میں رہنے والے صوبہ سرحد کے لوگ ہی مسلمان ہیں۔ پاکستان کے کسی صوبے میں مسلمان نہیں ہیں۔ میں ان کے ساتھ اتفاق کرتا ہوں مگر ان ۳۲ لاکھ مہاجروں کو دو چار برس کے لئے پنجاب میں بھی تو رکھیں۔ آپ نے صرف ان کو ہماری گردن پر بٹھایا ہوا ہے۔ ان کی موجودگی کی وجہ سے جتنے مسائل کا سامنا ہے، اتنے مسائل کا سامنا ہمیں کبھی سابقہ تاریخ میں نہیں کرنا پڑا ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ جتنی جلدی ہو سکے ان کو اپنے وطن واپس بھیجا جائے اور وہاں جانے کے بعد ان کو کھلم کھلا چھٹی ہے کہ وہ جس طریقے سے بھی چاہیں behave کریں۔ یہ افغانوں کا اندرونی معاملہ ہے، افغان گورنمنٹ کا مسئلہ ہے، اسی طرح سے ہماری دوسری دوغلی پالیسیاں ہیں۔ جناب آپ اندازہ لگائیں کہ یہاں پر جہاد کانفرنس ہوئی۔ یعنی ہمیں تو یہ بتایا گیا ہے، ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے، بزرگوں سے سنا ہے، جو عالم اور فاضل لوگ ہیں وہ کہتے ہیں کہ مسلمان ملک میں جہاد کا اعلان صرف اور صرف امیر المومنین کر سکتے ہیں اور ہمارے امیر المومنین جو ہیں وہ تو

جناب محترم صدر صاحب ہیں۔ اچھا انہوں نے تو کسی جہاد کا اعلان نہیں کیا، وزیر اعظم جو ہیں، ان کی حکومت جو ہے اس نے تو کبھی جہاد کا اعلان نہیں کیا چاہے جو بھی حکومت رہی ہو ہمارے آرمی chief ہیں انہوں نے جہاد کا اعلان نہیں کیا مگر یہاں پر کچھ سیاسی تنظیمیں ہیں اور مجھے اس سے اتفاق ہے کہ خالصتاً اپنے ذاتیاتی مفادات کی خاطر وہ اس تخریب کاری کو ہوا دیتے رہے اور اس کو مقدس بنانے کی خاطر اس کو جہاد کا درجہ دیتے رہے۔

جناب کہاں کا جہاد ہے میں پہلے بھی نیشنل اسمبلی کے فلور پر کہہ چکا ہوں کہ یہ صرف مال غنیمت ہڑپ کرنے کے لئے یہ سارا فساد انہوں نے رچایا ہوا تھا جس دن یہ ریال یا ڈالر جو ہیں یہ یہاں آنے بند ہو جائیں گے تو خود بخود اس جہاد کے غبارے سے ہوا نکل جائے گی تو اب بھی آپ اس کشمیر کو لے لیں۔ یہ کل جو کشمیر میں ہوا اور جو بیچارے بے گناہ مارے گئے اس کی ذمہ داری سے ہم کیسے بری الزمہ ہو سکتے ہیں جناب کشمیر کے issue کو ہر ایک حکومت نے سیاسی ہوا دی۔ صبح سے شام تک لوگوں کو کہا ہے کہ کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے کشمیر کے بغیر پاکستان زندہ نہیں رہ سکتا۔ تو ہمیں محترم دوست کہتے ہیں کہ لوگوں کی حق خود ارادیت کی جو بات ہے اس کی ہم کیسے مخالفت کر سکتے ہیں مجھے پورا اتفاق ہے ہم نے کبھی بھی نہ حق خود ارادیت کی مخالفت کی ہے اور نہ ارادہ ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ آپ دو ٹوک طریقے سے جائیں اور اس مقدس کام میں کشمیریوں کا ہاتھ بٹائیں۔ جناب پھر حکومت کو مجبور کریں کہ حکومت جو ہے وہ اعلان کرے کہ اب وقت آگیا ہے ۷۴ برس کے بعد، کیونکہ ہندوستان کا رویہ جو ہے وہ سراسر نامناسب ہے وہ اس کو سیاسی اور امن و صلح سے حل نہیں کرنا چاہتی اور وہاں کے لوگوں کو اپنا جائز حق نہیں دیتی لہٰذا یہ کیا ہے؟ یکجہتی کا دن منا رہے ہیں مجھے بتائیں تاریخ میں کسی نے یکجہتی کا دن منا کر کوئی قرار داد پاس کر کے کوئی سٹیٹمنٹ اور کوئی پریس کانفرنس کر کے بھی کسی نے یعنی یہ حق خود ارادیت جو ہے یہ حاصل کی ہے۔ یہ تو ایک بھونڈا سا مذاق ہے وہ بیچارے تو اس زعم میں تھے کہ اب شاید وقت آگیا ہے اور چلیں ہیں جی پاکستان کی گورنمنٹ آگے نہیں ہو گی ہم آگے ہوں گے مگر ہمارے

پیچھے ہوں گے مگر اب معلوم ہوا کہ یہ تو، ان کے پیچھے نہیں ہیں یہ تو سارا وقت سیاسی طور پر ہوا دیتے رہے قطعاً کبھی بھی کسی پاکستانی حکومت کا یہ ارادہ اور یہ نیت نہیں تھی کہ وہ کشمیر کی خاطر اس حد تک جائیں جس حد تک وہاں لوگ اب ذہنی طور پر تیار ہوں آپ روزانہ اخبار اٹھا کر دیکھیں کہ لکھا ہوا ہے کہ کشمیریوں کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے کشمیریوں پر گولیاں برسائی جارہی ہیں اور ان کی بے گناہ عورتیں اور بچے قتل ہو رہے ہیں تو جناب ہمارے تو سن سن کر یہ باتیں کان پک گئے ہیں یہاں ہم زیادہ سے زیادہ کیا کرتے ہیں مولوی صاحب جو ہے وہ اٹھ کر کہتا ہے کہ ان کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے۔

(اس مرحلہ پر آذان مغرب کی آواز آئی اور مقرر خاموش ہو گئے)

Mr. Presiding Officer: Will you (Mr. Abdul Khaliq Khan) be able to complete it or should we continue for next day?

Mr. Abdul Khaliq Khan: I don't think I can complete it now because I have hardly covered two points and I have at least another two points which will take exactly the same time.

Mr. Presiding Officer: What is the sense of the House? Should we adjourn or should we hear him?

(Voices : Adjourn. Adjourn.)

Mr. Presiding Officer: So the House is adjourned for Sunday the 16th February, 1992 at 4.00 p.m. And that will be a Private Members Day.

[The House adjourned to meet again at four of the clock in the evening on Sunday the 16th February, 1992].

PCPPI —484 (96) Senate—15-2-2000—150.